بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مولانا ابو الجلال ندویؒ

ایامُ النبی ﷺ

......(۱)......

قرآن مجید ۱۱۴ سورتوں کا مجموعہ ہے۔ یہ سورتیں ایک کتاب کے ۱۱۴ فصول وابواب نہیں ہیں، بلکہ ۱۱۴ صحف ہیں جن میں ۱۱۴ کتب قیمہ ہیں (۱)، سورتوں کی ترتیب تلاوت پر ۱۳ھ میں صحابہ کرام کا اجماع ہوا۔ سورتوں کے اندر آیتوں کی ترتیب وہی ہے جس ترتیب سے نمازوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سورتوں کی تلاوت کرتے تھے۔ یہ بات تفصیل کے ساتھ ہم تالیف قرآن کے زیر عنوان آیات قرآن اور احادیث صحیحہ کی دلیل سے ثابت کر چکے ہیں۔ لیکن قرآن کریم پورے کا پورا ایک مرتبہ نہیں اترا بلکہ ساڑھے بائیس برس کی مدت میں وقتاً فوقتاً نانغے دے دے کر نازل ہوا۔ چنانچہ خود خدا ارشاد فرماتا ہے:

وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ۝ (۲)

اور قرآن کو ہم نے پارہ پارہ اتارا تاکہ تو ناغے دے دے کر لوگوں کو سنائے اور ہم نے اسے تھم تھم کر اتارا۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ج كَذٰلِكَ ج لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ۝ وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا ۝ (۳)

اور کافروں نے کہا اس کے اوپر قرآن پورا ایک بار کیوں نہیں اتارا گیا، ایسا اس

لئے (ہوا) کہ اس کے ذریعے ہم تیرے دل کو ثابت رکھیں اور یوں جو بھی کہاوت تیرے سامنے لاتے ہیں ساتھ ہی ہم حق کو اور بہتر تفسیر کو لادیتے ہیں۔

ان آیتوں سے حسب ذیل امور معلوم ہوئے

(۱) قرآن کی آیات ناغے دے دے کر اتریں

(۲) کچھ آیتیں اس لئے اتریں کہ مناسب وقفے دے دے کر لوگوں کو احکام الٰہی سنائیں۔ ایسی آیتوں کے لئے کسی خاص واقعہ کو سبب نزول قرار دینے کی اور اس واقعے کو تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

(۳) کچھ آیات حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی تثبیت فواد کے لئے اتریں۔ سورۂ ہود(۴) کے مطابق رسولوں کے قصے عموماً آپؐ کی تثبیت فواد کے لئے اترے۔ ایسی آیتوں کے سبب نزول کو سمجھنے کی ضرورت ہے جو کہ خود قرآنی آیات اور مستند روایات سے معلوم ہو سکتا ہے۔

(۴) کچھ آیتیں اور سورتیں لوگوں کی باتوں کے جواب میں اتریں۔ قرآن کے اندر کفار کے متعدد اقوال منقول ہیں آیتوں کا مضمون بتادے گا کہ کونسی آیت کس قول کا جواب ہے۔ بعض آیات یسئلونک یا یستفتونک سے شروع ہوتی ہیں، کچھ سورتوں میں کفار کے جدال کا ذکر ہے اس سے آیتوں کا سبب نزول اور زمانہ نزول معلوم ہو سکتا ہے۔

سورتوں کی بعض آیات کا جو تقریباً ہم مضمون ہیں تقابلی مطالعہ ہم کو بتا سکتا ہے کہ کونسی سورۃ پہلے اتری اور کونسی سورۃ بعد میں اتری۔

عہد نبوت دو حصوں میں منقسم ہے (۱) مکی دور (۲) مدنی دور۔ قرآن کے کسی مطبوعہ نسخے کو اٹھا کر دیکھئے ہر سورۃ کے سرنامے پر لکھا ہو گا کہ یہ مکہ میں اور یہ مدینہ میں اتری۔ کسی سورۃ کے مکی یا مدنی ہونے کا ذکر ایسی روایتوں پر مبنی ہے جن میں ایک دو شاذ روایتوں کے سوا کسی کو کتب صحاح میں جگہ نہیں مل سکی۔ جن سورتوں کو مدنی بتایا گیا ہے وہ سب ۱ رھ سے لے کر ۱۱ر کے آغاز تک اتریں، جہاں بھی اتری ہوں، جن کو مکی مانا گیا ہے، ان میں سے اکثر ۱ رھ سے پہلے کی ہیں مگر بعض آیتیں اور مختصر سورتیں مقام نزول کے اعتبار سے تو مکی ہیں لیکن وہ ۱ر قبل ہجرت کے بعد کسی وقت مکہ میں نازل ہوئی۔

سورتوں کو ہم مختلف دلائل سے چار قسموں میں تقسیم کر سکتے ہیں:

(۱) مختلف فیہ سورتیں، جن کو کسی نے مکی قرار دیا کسی نے مدنی۔ ایسی سورتوں کی بابت فیصلے کی ضرورت ہے کہ وہ ۱ھ سے پہلے اتریں یا ۱ھ مابعد کے سنین میں جیسے رعد، رحمان، انسان ،فلق اور ناس وغیرہ

(۲) خالص مکی سورتیں، جن کی کوئی آیت مدنی نہیں ہے۔

(۳) خالص مدنی سورتیں جن کی کوئی آیت ۱ رھ سے پہلے نہیں اتری۔

(۴) مکی مدنی سورتیں جن میں کچھ آیتیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ورود مدینہ کے بعد ۱ ر ہجری میں اور کچھ اسی سال ۱ ر قبل ہجرت میں آپ ﷺ کی ہجرت سے پہلے مکے میں اتریں۔

مکی سورتوں میں ۵ قسم کی آیتیں ہیں:

(۱) وقتاً فوقتاً لوگوں کو ناغے دے دے کر حق کی تعلیم دینے والی آیتیں۔

(۲) وقتاً فوقتاً آپ ﷺ کی تثبیت فواد کرنے والی آیتیں۔

(۳) آیات جدال، ان آیات کی بابت یہ فیصلہ کرنے کی ضرورت ہے کہ مشرکین، مجوس، صابئین، نصاریٰ اور یہود میں کس فرقے کے مجادلین کے جواب میں اتریں۔ اس قسم کی آیتیں مکی سورتوں میں بھی ہیں۔

(۴) بعض سورتوں میں قتال سے متعلق آیتیں ہیں ان سورتوں کو یا کم از کم ان آیتوں کو مدنی قرار دینا ضروری ہے۔

(۵) بعض آیتوں میں ہجرت یا مہاجرین کا ذکر ہے۔ چونکہ ۱ ر ق ھ اور ۱ ر ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صفر ۱ ر ھ تک مکہ میں مقیم رہے اور صحابہ کرام ایک ایک کر کے مدینہ ہجرت کرتے رہے، اس لئے ایسی آیتوں کی بابت مزید دلائل سے معلوم کرنے کی ضرورت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے پہلے اتری یا آپؐ کی ہجرت کے بعد اتری۔

اسباب نزول سے متعلق جتنی تحریریں میری نظر سے گذری ہیں ان میں سے کسی میں آیتوں اور سورتوں کی ان خصوصیات کا تذکرہ میری نظر سے نہیں گذرا۔ مکی سورتوں میں کفار کے جتنے اقوال منقول ہیں یہ سوچے بغیر کہ سورۃ کے مخاطب کس عقیدے کے لوگ ہیں ہر قول کو کسی نہ کسی مکی غیر مسلم کا قرار دے دیا گیا ہے۔ بعض آیات ایک نہ ایک مخصوص واقعے پر منطبق پا کر اسی واقعے کو ان کا سبب نزول قرار دے دیا گیا ہے۔ حالانکہ وہ واقعہ نزول آیت سے مدتوں بعد کا واقعہ ہو

تا ہے۔

......(۲)......

تورایخ آیات میں عمر شریف کی مقدار، سال ولادت، ماہ ولادت، تاریخ ولادت، عمر شریف بوقت بعثت، سال بعثت، ماہ بعثت، تاریخ بعثت، تاریخ ہجرت اور تاریخ وفات سے متعلق اقوال و آرا کے تصادم اور عدم توافق نے بڑی الجھنیں پیدا کر دی ہیں۔ قبول عام کی دلیل سے ایک قول کو مان کر باقی اقوال کو قبل فرما کر مسترد کر دیا جاتا ہے، حالانکہ قول غلط ہو یا صحیح ہر قول کی ایک نہ ایک وجہ ہوتی ہے اس وجہ کو اور قائل کے قول کو بعض اوقات قائل کے نام تک کو قبل کے پردے میں بٹھا دیا گیا ہے اور ایک قائل کے قول کو بہتوں کا قبول کر لینا اس بات کی پختہ دلیل نہیں ہے کہ اس قائل کا قول بغیر دلیل ہی برحق ہے۔

عمر شریف

سب سے پہلے عمر شریف سے متعلق مختلف اقوال کو ہم الشیخ حسین بن محمد بن حسن الدیار بکری کی تاریخ الخمیس سے نقل کرتے ہیں:

(۱) ابن عباسؓ سے (مروی ہے کہ) نازل کیا گیا (قرآن) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپؐ اس وقت ۴۰ برس کے تھے۔ دس برس مکہ میں پھر دس برس مدینہ میں رہے اور وفات پائی اور اس وقت آپؐ ۶۳ برس کے تھے، شیخین نے اس کی تخریج صحیحین میں کی ہے اور ایسا ہی ابوبکرؓ اور عمرؓ اور عائشہؓ (رضی اللہ عنہا و عنہما) کے سن کی بابت مروی ہے ۶۳ برس۔

(۲) اور انسؓ سے (مروی ہے) کہ آپؐ نے ۶۰ برس کی عمر میں وفات پائی

(۳) ایک روایت میں ۶۵ برس مروی ہے اور اس کو ابو حاتم نے اپنی تاریخ میں صحیح بتایا ہے۔

(۴) اور تاریخ ابن عساکر میں ہے کہ ساڑھے باسٹھ برس

(۵) اور کتاب ابن شیبہ میں ہے کہ ۶۱ تا ۶۲ برس اور میں نہیں خیال کرتا کہ آپؐ ۶۳ برس کی عمر کو پہنچے (۵)

مولف نے چند باتوں کا ذکر چھوڑ دیا ہے

(۱) ۶۳ برس کی عمر، حضرت عائشہ اور امیر معاویہ کے علاوہ حضرت انس اور ابن

عباس رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے

(۲) ۶۵ برس کی عمر حضرت ابن عباس سے مروی ہے۔ یہ روایتیں کتب صحاح کی ہیں مولف نے اس کا ذکر چھوڑ دیا ہے

(۳) ابن عساکر اور کتاب ابن شیبہ کے حوالے سے جو اقوال نقل کئے ہیں ان کے قائلین کا ذکر نہیں کیا ہے، اس سے بات الجھ کے رہ گئی ہے۔ ان اقوال کو نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ :اور ان اقوال کے درمیان جمع کی صورت یہ ہے کہ کہا جائے کہ (۱) جس نے ۶۵ برس کہا اس نے سال میلاد اور سال وفات دونوں کو جوڑ لیا اور (۲) جس نے ۶۳ برس کہا دونوں کو حذف کر دیا اور (۳) جس نے ساٹھ برس کہا اس نے کسریں چھوڑ دیں اور (۴) جس نے ساڑھے باسٹھ برس کہا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اکلیل کی ایک حدیث پر اعتبار کیا جس کی صحت میں کلام ہے وہ یہ کہ ہر نبی نے اپنے پیش رو نبی کی نصف عمر پائی اور عیسیٰ اپنی امت میں ۱۲۵ برس رہے، اور جس نے ۶۱ یا ۶۲ برس کہا اسے شک ہے واضح بات نہیں کہی (۶)

مولف نے ۶۵، ۶۳ اور ۶۰ برسوں کے درمیان جمع کی جو صورت بتائی ہے محاسب حضرات اس کی توضیح فرمانا چاہیں تو فرمالیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کسریں چھوڑ لینے سے کس طرح ۶۵ برس یا ۶۳ برس گھٹ کر ۶۰ برس ہو سکتا ہے، یہ توجیہ قطعاً لغو توجیہ ہے۔ جس نے ساڑھے باسٹھ برس کہا اس کے قول کی وجہ مولف نے ایسی تجویز کی ہے کہ اسے قرآن سے ناواقف قرار دیا۔ حضرت عیسیٰؑ کی بابت قرآن میں

نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا (۷)

تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَ كَهْلًا (۸)

حضرت مسیح علیہ السلام (۴۰ برس سے متجاوز) ہونے سے پہلے دنیا سے ادھیڑ عمر میں اٹھ گئے۔ جس نے ساڑھے باسٹھ برس عمر بتائی اس کی وجہ قول کچھ اور ہے (۶۱ یا ۶۲) برس کی عمر بتانے والے نے کوئی شک ظاہر نہیں کیا بلکہ اس نے واضح الفاظ میں کہا کہ میں خیال نہیں کرتا کہ آپؐ نے ۶۳ برس کی عمر پائی۔ اس کے اس قول سے یہ بھی ظاہر ہے کہ قائل کے نزدیک عمر شریف ۶۵ برس کی بھی نہ تھی اور نہ صرف ۶۰ برس کی تھی، کم از کم ۶۱ برس کی اور زیادہ سے زیادہ ۶۲ برس کی تھی۔ اس لئے مولف نے اختلاف اقوال کی جو توجیہ کی ہے محض لغو اور ناقابل فہم توجیہ ہے۔ اس توجیہ

سے حقیقت کو اور زیادہ ژولیدہ بنادیا ہے اس توجیہ کے بعد ارشاد فرماتے ہیں کہ:

ان تمام اختلافات کی بنیاد بعثت کے بعد مکہ میں قیام کی مدت کے بارے میں اختلاف ہے واللہ اعلم ایسا ہی سیرت مغلطائی میں ہے۔(۹)

تقویمیں

اب ہماری توجیہ سنئے۔ عرب میں رائج تقویمیں تین قسم کی تھیں:

(۱) وہ تقویمیں جن میں شمسی یا فصلی سنین کا کوئی لحاظ نہیں کیا جاتا جیسے ہجری تقویم اور تقویم نسی،

(۲) وہ تقویمیں جن میں قمری مہینوں کا کوئی لحاظ نہیں رکھا جاتا جیسے رائج الوقت انگریزی تقویم جسے غلط نام دیا گیا ہے عیسوی تقویم۔

(۳) قمری مہینوں اور فصلی سنین دونوں کی مراعات پر مبنی تقویم جیسے یہودی اور ہندی تقویمیں۔

ہجری تقویم

ہجری تقویم کی خصوصیات حسب ذیل ہیں:

(۱) کوئی مہینہ ۲۹ دنوں سے کم کا اور کوئی مہینہ ۳۰ دنوں سے زیادہ کا نہیں ہوتا۔

(۲) کوئی سال ۳۵۴ دن سے کم کا اور ۳۵۵ دن سے زیادہ کا نہیں ہوتا۔

(۳) تین برسوں کے ایام زیادہ تر ۱۰۶۳ دنوں کے ہوتے ہیں مگر ۳۰ برس کی مدت میں ایک سہ سالہ مدت ۱۰۶۴ دنوں کی ہوتی ہے۔

(۴) ۳۰ برس میں ۱۱ برس ۳۵۵ دنوں کے اور ۱۹ برس ۳۵۴ دنوں کے ہوتے ہیں جملہ تعداد ایام ۱۰۶۳۱ دن۔

(۵) ان ایام کو ۳ سے تقسیم کیجئے تو ہر دس سال کی حسابی مقدار ۳۵۴۳ دن ۱۶ گھنٹے ہوتی ہے اس لئے اس دس برسوں میں ان ایام کو یوں (۳۵۴۳ + ۳۵۴۴ + ۳۵۴۴) یا یوں (۳۵۴۳ + ۳۵۴۳ + ۳۵۴۵) تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(۶) ۱۰۶۳۱ کو ۳۰ سے تقسیم کیجئے، ایک سال کی حسابی مدت ہوئی:

۳۵۴ دن ۸ گھنٹے ۴۸ منٹ

زاید ۸ گھنٹے ہر تیسرے سال ایک دن ہو جاتے ہیں اس لئے ۱۸ق ھ، ۱۵ق ھ، ۹ق ھ، ۶ق ھ، ۳ق ھ، ۱ھ، ۴ھ، ۷ھ، ۱۰ھ دس برسوں میں سے ہر ایک ایام ۳۵۵ کے دن کے ہوئے۔ ۴۸ منٹوں کو ایک دن بننے کے لئے ۳۰ برس درکار ہیں اس لئے ۹ھ کو بھی ۳۵۵ کا باور کرنا چاہئے۔ آئندہ آپ دیکھیں گے۔ دوشنبہ ۱۲ر ربیع الاول ۱ھ روز ہجرت سے دوشنبہ ۲ر ربیع الاول ۱۱ھ روز وفات تک ۹ یوم کم دس برس کے ایام ۳۵۳۶ ہوئے، آخری تین سال کے ایام ۱۰۶۴ ہوئے اس لئے ۸و۹و۱۰ھ کے جملہ ایام ۱۰۶۴ دن ہوئے۔

سال کی حسابی مدت کو ۱۲ سے تقسیم کیجئے تو ایک ماہ کی مدت ۲۹ شب و روز ۱۲ گھنٹے ۴۴ منٹ ہوتی ہے۔ یہودی حساب کے مطابق $۳\frac{۱}{۳}$ (۳٫۳۳۳) سیکنڈ زاید جو کہ ۱۲ ماہ میں ۴۰ سیکنڈ ۳۰ برسوں میں ۲۰ منٹ اور تیس تیس برسوں کے ۷۲ احقاب میں ایک دن ہو جاتے ہیں۔ ایام وسنین کی بحث میں ہم نے ثابت کیا ہے کہ محرم ۷۷۶ق ھ سے شروع ہو کر ذی الحجہ ۱۳۸۴ھ تک کی مدت میں ایک دن کا اضافہ ہو گیا اور تیس کے ۷۲ ویں دور میں ۱۱ برس کی بجائے ۱۲ برس ۳۵۵ کے ہو گئے، اب ۳۵۴۴ھ میں ایک دن اور بڑھے گا۔ عہد نبوت کے ایام کی تورایخ میں $۳\frac{۱}{۳}$ سیکنڈوں کے شمار کی ضرورت نہیں ہے۔

جن لوگوں نے پورے حساب کو پیش نظر نہیں رکھا ہے وہ عموماً ایک مہینہ ۲۹ کا ایک ۳۰ کا شمار کرتے ہیں، مگر یہ غلط طریقہ ہے۔ دن اور رات سال کی صرف دو تاریخوں میں برابر ہوتے ہیں، پھر دن بڑھتے اور رات گھٹتی ہے یا دن گھٹنے اور رات بڑھنے لگتی ہے۔ چھوٹی سے چھوٹی رات ۹ گھنٹے اور بڑی سے بڑی رات ۱۵ گھنٹے کی ہوتی ہے۔ چاند کو جس مقام پر ہلال بن کر نظر آنا چاہئے اس مقام پر وہ ۲۹ شب و روز ۱۲ گھنٹے ۴۴ منٹ $۳\frac{۱}{۳}$ سیکنڈ میں پہنچ جاتا ہے مگر جب رات چھوٹی اور دن بڑا ہوتا ہے تو اس کے مقام رویت تک پہنچنے کے وقت دن ہوتا ہے اس لئے نظر نہیں آتا۔ ہم آئندہ دیکھیں گے کہ مسلسل تین ماہ ۲۹، ۲۹، ۲۹ دنوں کے ہوتے، ۳۵۴ دنوں کے ۶ ماہ کے ایام ۱۷۷ دن ہوتے ہیں۔ پہلے تین ماہ اگر ۸۷ دنوں کے ہوئے تو لازماً تیسرے تین ماہ ۹۰ دنوں کے ہوئے۔

۶۳ سال کے ہجری ایام

ہجری تقویم کے ۶۳ سال کے ایام ۲۲۳۲۶ دن یا ایک دن کم ہوتے ہیں۔

یہودی تقویم

یہودیوں کی تقویم ذرا پیچیدہ ہے۔ ہجری تقویم کے رواج سے پہلے جو کہ ۱۷ھ سے مستعمل ہونے لگی عمریں اور واقعات یہودی تقویم کے مطابق بیان کرتے۔ یہودی تقویم کا بنیادی مسلمہ یہ ہے کہ ۲۳۵ قمری مہینوں میں صرف ۲۲۸ بار یوم حصاد آتا ہے جس کی بابت قرآن میں ہے اور توریت میں بھی تھا کہ وَاٰتُوا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ (۱۰) اس لئے ۵۹ فائدہ۔۔۔۔۔۔ (نمبر ۲، نمبر ۵، نمبر ۷، نمبر ۱۰، نمبر ۱۳، نمبر ۱۶، نمبر ۱۸) کے مطابق ۱۹ برسوں میں سات برسوں کو ۱۳، ۱۳ ماہ کے برس کہتے تھے۔ ۶۳ برس کی روایت کو مدنی تقویم کے ۶۳ برس خیال کر کے حساب کیجئے:

۵۷ برس یہودی یا مدنی = ۵۸ برس ۹ ماہ ہجری

۶ برس یہودی یا مدنی = ۶ برس ۲ ماہ ہجری

لیجئے ۶۳ سال مدنی ہجری تقویم کے ایک ماہ کم ۶۵ برس کے برابر ہو گئے۔ حضرت ابن عباس سے دو روایتیں ہیں۔ دونوں روایتیں سنداً یکساں پایہ کی صحیح روایتیں ہیں۔ ایک روایت کے مطابق عمر شریف کا حسب ہوگا۔ ۴۰ برس قبل بعثت ۱۵ برس بعد بعثت مکہ میں۔ ۱۰ برس بعد ہجرت مدینہ میں۔ دوسری روایت کا حساب یوں ہے، ۴۰ برس قبل بعثت ۱۳ برس بعد بعثت مکہ میں ۱۰ برس بعد ہجرت مدینہ میں۔

ایک ہی شخص سے دو روایتیں دو تقویموں کے مطابق یکساں پائے کی صحیح سند سے مروی ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ ابن عباس نے ایک تعبیر سے رجوع کر کے دوسری تعبیر کو اختیار کیا۔ لیکن ایک قول سے رجوع کی روایت کے فقدان نے بات کو ژولیدہ کر دیا۔ بہر حال ہم کو فیصلہ کرنا ہے کہ ان دونوں تعبیروں میں سے صحیح تر تعبیر کیا ہے۔ مولف نے ۶۳ اور ۶۵ کے فرق کی جو توجیہ کی ہے اس کی توضیح کے لئے دماغی جمناسٹک کرنے سے حاصل کچھ نہ ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ ابن عباسؓ نے ۶۳ برس کی روایت کو مدنی بول چال کے ۶۳ برس خیال کر کے اسے ۶۵ سال بتایا۔ چونکہ ۶۵ سال تنہا ان کا خیال ہے اور ۶۳ سال کے راوی ان کے سوا حضرت عائشہؓ، ان کے بھانجے عروہ بن زبیر، امیر معاویہؓ اور حضرت انسؓ بھی ہیں۔ اس لئے ماننا پڑتا ہے کہ انھوں نے ۶۵ سال کے متعلق خیال کو ترک کر کے ۶۳ سال بتایا۔

حضرت انس سے دو روایتیں ہیں۔ ایک کا مضمون یہ ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ

علیہ وسلم ۴۰ برس کی عمر میں مبعوث ہوئے، ۱۰ برس مکہ میں، ۱۰ برس مدینہ میں فرائض رسالت انجام دیئے۔ ۶۰ سال کی عمر میں وفات پائی۔ سر کے اور داڑھی کے معدودے چند ہی بال سپید ہوئے تھے۔

دوسری روایت کا مضمون یہ ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ تینوں کی عمریں بوقت وفات ۶۳ برس کی تھیں۔

سنداً دونوں روایتیں صحیح ہیں۔ حضرت انس اھ میں دس برس کے تھے۔ حضرت رسول خداؐ کی وفات کے وقت بیس برس کے۔ ان کو بیس برس کی عمر تک صرف یہ معلوم تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبل نبوت ۴۰ برس، بعد نبوت ۲۰ برس زندہ رہے۔ یہ ان کو نہیں معلوم تھا کہ مکہ میں بعد نبوت ۱۳ برس رہے۔ اس لئے انھوں نے پہلی بات کہی۔ حضرت عمرؓ ۲۳ رذی الحجہ ۲۳ھ کو شہید ہوئے، اس وقت حضرت انس ۳۳ یا ۳۴ برس کے تھے۔ ان کو اب صحابہ کرام سے معلوم ہوا کہ حضرت رسول خدا کی عمر بھی بوقت وفات ۶۰ برس کی نہیں بلکہ ۶۳ برس کی تھی۔

فصلی تقویمیں

عرب میں رائج تقویم کے مطابق سال کے ایام ۳۶۰ مانے جاتے تھے۔ ہر ۵۲ ہفتوں یعنی ۳۶۴ دنوں کا سال مانا گیا پھر ۵۲ ہفتہ ایک دن، پھر ۵۲ ہفتہ ایک دن ۶ گھنٹے کا سال مانا گیا۔ یہ سب تقویمیں عرب میں رائج تھیں۔ ۶۳ برس ہجری کے ایام ۳۶۰ دن فی سال کے حساب سے ۵ یا ۶ دن کم ۶۲ برس ہوئے جس نے عمر شریف ۶۲ برس بتائی اس حساب سے بتائی۔

۶۳ برس کی روایت کو اس مسارقی تقویم کے ۶۳ برس خیال کرو تو یہ مدت ۶۴ برس ہجری کے برابر ہو جاتی ہے۔

عیسوی تقویم کے ۶۳ برس کے ایام ۲۳۰۱۱ ہوئے۔ اس قدر ایام ۲۵ دن کم ۵۶ سال ہجری کے برابر ہوتے ہیں۔

۶۳ برس ہجری کے ایام ۲۲۳۲۶ کو عیسوی تقویم میں منتقل کرو تو اس قدر ایام ۶۱ سال ۴۶ دن ہوئے۔

تقویم نسی

ایام وسنین کی بحث میں ہم نے ثابت کیا ہے ۲۵ برسوں میں ۲۴ بار حج کرتے تھے ہر ماہ دو سال حج ہوتا تھا۔ ایک پورا سال نسی ہو جاتا تھا۔ ہر دوسرا سال ۱۳ ماہ کا ہوتا تھا۔ اب حضرت انسؓ کے ۶۰ برسوں کو نسی کے سال خیال کرو تو یہ مدت ہجری تقویم کے ساڑھے باسٹھ برس کی ہو جاتی ہے۔

اب معلوم ہوا کہ عمر شریف کی مقدار کی بابت تمام اقوال مختلفہ کی بنیاد تقویموں کا اختلاف ہے۔ اصل روایت ۶۳ اور ۶۰ برس کی تھی۔ ۶۳ سال کی روایت کو ہجری تقویم کی بجائے دوسری تقویموں سے ۶۳ سال خیال کر کے ۶۵ سال، ۶۲ سال، ۶۱ سال خیال کیا اور ۶۰ سال کو نسی کے سال خیال کر کے اسے ساڑھے باسٹھ سال بتایا۔

صحیح قول یہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۶۳ برس کی عمر پائی اور برس سے مراد ہجری تقویم کے ۶۳ برس ہیں جس کے ایام ۲۲۳۲۶ یا ایک دن کم ہوتے ہیں دراصل عمر شریف کے ایام ۹ یوم ۶۳ برس یعنی ۲۲۳۱۷ تھے۔

......(۳)......

تاریخ ولادت کے ذکر میں صاحب تاریخ الخمیس تحریر فرماتے ہیں کہ:

(۱) المواہب اللدنیہ میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سال ولادت کے متعلق اختلاف کیا گیا۔ پس اکثروں کی رائے یہ ہے کہ وہ عام الفیل تھا۔ یہی قول ہے ابن عباس کا۔

(۲) اور علماء میں سے بعض نے اس امر پر اتفاق کی شکایت کی ہے اور کہا ہے کہ ہر قول جو اس کے خلاف ہے وہ وہم ہے۔

(۳) اور کہا ابن الجوزی نے الصفوۃ میں کہ لوگوں کا اس پر اتفاق ہے کہ آپ ﷺ عام الفیل میں دوشنبہ کے دن ماہ ربیع الاول میں پیدا ہوئے اور اس بات پر اتفاق کے بعد کہ آپ ﷺ عام الفیل میں پیدا ہوئے یہ اختلاف ہے کہ اس سال کے کتنے ایام گذر چکے تھے۔

(۴) چنانچہ المنتقی میں ہے کہ ابن عباس نے کہا:

ولد یوم الفیل وکان قدوم الفیل یوم الاحد، لخمس خلون من

المحرم، (كذا في سيرة مغلطاى) و هلاك اصحابه لثلاث عشرة ليلة بقيت من المحرم، و كان اول المحرم تلك السنة يوم الجمعة، و ذلك في عهد كسرىٰ نوشيران بن قباد بن فيروز بن يزد جرد بن بهرام جور لمضىٰ اثنين و اربعين سنة ۔

۵۔و في اسد الغابه لاربعين سنة من ملكه،

۶۔ و عاش كسرىٰ بعد مولد النبى صلى الله عليه وسلم سبع سنين وثمانية اشهر وكان ملكه سبعاً اوثمانياً واربعين سنة وثمانية اشهر، كذا قاله ابن الاثير (۱۱)

اس کے بعد جو کچھ فرمایا ہے اس کو سر دست ملتوی رکھ کر اس بیان پر غور کر لیجئے، اس عبارت اور بعد کی عبارت کو غور سے پڑھنے کے بعد میرا فیصلہ یہ ہے کہ اختلاف دراصل سال میلاد کی بابت نہیں تھا بلکہ عام الفیل کی بابت تھا کہ یہ وہی عام المیلاد تھا یا عام الفیل اس سے پہلے گذرا۔ ایک قول یہ تھا کہ عام الفیل اور عام المیلاد دونوں ایک ہیں۔ اس قول کو ابن عباس کی طرف منسوب کر دیا گیا۔ مگر ابن عباسؓ تک روایت محذوف ہے۔ لیکن یہی مقبول عام قول ایک دوسرے قول کے خلاف ہے۔ ار میلاد عام الفیل کے سر خیل ابرہۃ الاشرم کے فرزند مسروق کے قتل ہونے کا سال تھا۔ جس نے ابرھہ کی وفات کے بعد دس یا دو سال حکومت کی۔ ہماری رائے حمیری کتبات، نصرانی تواریخ اور یمنی روایات پر مبنی ہیں۔ ابن عباسؓ کی طرف غلط منسوب ہے عام الفیل اور عام المیلاد ایک تھا۔

مواہب لدنیہ کے حوالے سے بزبان ابن عباسؓ عام المیلاد اور عام الفیل کو ایک بتایا ہے مگر المنتقی کے حوالہ سے بزبان ابن عباس یوم المیلاد اور یوم الفیل کو ایک بتایا ہے اس کو درست مان لیا جائے تو آپ کا ماہ میلاد ربیع الاول کی بجائے محرم ۵۳ ق ھ کو ماننا پڑے گا۔ پھر اس قول میں پانچویں محرم کو یکشنبہ کا دن بتایا ہے اگر درست ہے تو پہلی کو چہار شنبہ کا دن ہونا چاہئے۔ اس کے ساتھ یہ بھی مذکور ہے کہ اس سال کی پہلی محرم کو جمعہ کا دن تھا۔ اس سے ظاہر ہے کہ المنتقی کی پوری روایت نہایت نامعقول ہے۔ اس سے زیادہ کچھ اور کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اس بیان میں جو بات قابل توجہ ہے وہ یہ ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم

کے سال ولادت کو بحوالہ المنتقی ۴۲ جلوس نوشیرواں اور بحوالہ اسد الغابہ ۴۰ جلوس نوشیرواں بتایا گیا ہے۔ یونانی مورخوں کے مطابق نیز طبری کے مطابق نوشیرواں ۵۳۱ میں تخت نشین ہوا اس میں ۴۰ جوڑیئے عام المیلاد ۵۷۱ قرار دیا ہے۔ ۶۳ برس قمری عیسوی تقویم کے مطابق ہم بتا چکے ہیں کہ ۶۱ برس ۴۶ دن کے برابر ہوتے ہیں اس لئے ۵۷۱ میں ۶۱ جوڑیئے تو ۶۳۲ء عمر شریف کا آخری سال قرار پایا ہے اور یہی درست ہے۔

المنتقی کے مولف نے سال میلاد کو ۴۲ جلوس نوشیرواں (۵۷۳ء) قرار دیا ہے روایت المنتقی کی لغویت واضح ہو چکی ہے اس لئے اس کے بیان کو ساقط کر دینا چاہئے کیونکہ پانچویں تک یکشنبہ ماننے کے باوجود لیل کو جمعہ قرار دینے والی روایت پر اعتماد ناممکن ہے۔ پانچویں کو یکشنبہ تھا جو جمعہ کی پہلی نہیں بلکہ تیسری تاریخ تھی۔ اب آگے پڑھئے:

اور المنتقی میں ہے کہ عبد المطلب نے ہرمز بن نوشیرواں کے زمانے میں وفات پائی اور اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ۸ برس تھی، اور شواہد النبوت میں ہے کہ رسول اللہ کی ولادت کے بعد نوشیرواں ۲۲ برس زندہ رہا۔ (۱۲)

شواہد النبوت کا قول سراسر غلط ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ۵۷۱ء میں پیدا ہوئے ۵۷۸ یا ۵۷۹ میں آٹھ برس کے ہوئے۔ نوشیرواں کے بعد ۵۷۹ء میں ہرمز بن نوشیرواں بادشاہ ایران کا اور یمن کا ہوا جس کے جانشین خسرو پرویز کو ۶۲۸ء میں اس کے بیٹے نے قتل کر دیا جس کے بعد یمن پر مسلمانوں کی حکومت قائم ہوگئی۔ اس کے بعد صاحب تاریخ الخمیس فرماتے ہیں:

(۱) اور المواھب الدنیہ میں ہے کہ مشہور یہ ہے کہ آپ ﷺ فیل کے ۵۰ یوم بعد پیدا ہوئے اسی طرف گئے ہیں السہیلی اور ایک جماعت،

(۲) اور المنتقیٰ میں بھی ہے کہ کہا بعض نے کہ آپ ﷺ فیل سے ۵۰ یوم بعد پیدا ہوئے اور فیل و فجار کے درمیان ۲۰ برس گذرے اور بنیان کعبہ اور فجار کے درمیان ۱۵ برس گذرے۔

(۳) اور المواھب اللدنیہ میں ہے اور کہا گیا ہے اس سے (یوم الفیل سے) ۵۵ یوم بعد حکایت کی اس کی الدمیاطی اور چند دوسروں نے،

(۴) اور المنتقی میں ہے،

عن ابی جعفر محمد بن علی قال (ا) ولد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم الاثنین

لعشر خلون من ربیع الاول

(۲) و کان قدوم الفیل للنصف من المحرم

(۳) فبین الفیل و بین مولدالنبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم خمس و خمسون لیلۃ (۱۳)

ابو جعفر محمد بن علی سے (مروی ہے کہ) فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوشنبہ ۱۰ار محرم کو پیدا ہوئے اور قدوم فیل کی تاریخ نصف محرم ہے، پس فیل اور میلاد نبی کے درمیان ۵۵ راتیں گذریں

(۵) ومی المواھب اللدنیہ، وقیل بعدہ شھر و قیل، وبعین یوما وقیل شھرین و عشرۃ امام، وقیل بعثوین سنۃ، وقیل بثلاثین سنۃ وقیل بار بعین سنۃ و قیل سبعین سنۃ، وقیل غیر ذالك، كذا فی مورد اللطافۃ، (۱۴)

مواہب ارشد میں ہے کہ اس سے (یوم الفیل) سے (۱) ایک ماہ بعد اور کہا گیا ہے اس سے (۲) ۴۰ دن بعد، اور کہا گیا ہے (۳) دو ماہ ۱۰ یوم بعد اور کہا گیا ہے (۴) ۲۰ برس بعد اور کہا گیا ہے (۵) ۳۰ برس بعد اور کہا گیا ہے (۶) ۴۰ برس بعد، اور کہا گیا ہے (۷) ۷۰ برس بعد اور کہا گیا ہے (۸) اس کا غیر السائی مورد اللطانیہ میں ہے کچھ اقوال اس کے علاوہ بھی ہیں، اسی طرح مورد اللطافۃ میں ہے۔

(۶) اور سیرت مغلطائی میں ہے کہ:

وقبل بخمسین یوما، وقیل بشھرین و ستۃ ایام وقیل لثنتی عشرۃ لیلۃ خلت من رمضان سنۃ ثلاث و عشرین من غزوۃ اصحاب الفیل وقیل بعد الفیل بعشر سنین۔ (۱۵)

مولف نے اقوال کو خلط ملط کر کے بیان کیا ہے۔ الموھب اللدنیہ کے تمام بیانوں کو ایک جگہ اور المنتقی کے بیانوں کو الگ ایک جگہ ہونا چاہئے۔ ان اقوال پر غور کیجئے سال میلاد سے متعلق اختلاف اقوال میں عمر شریف کی مقدار کی بابت اختلاف آرا کا کوئی اثر نہیں نظر آتا۔ اصل میں بحث واقعہ فیل کے سال کی بابت تھی کہ وہ عام المیلاد نبی تھا یا اس سے پہلے کا یا بعد کا کوئی سال تھا۔ لیکن اس

اختلاف کو اس طرح بیان کیا گیا ہے جیسے کہ واقعہ فیل کا سال تو مبحوث فیہ نہ تھا البتہ عام المیلاد کی تعیین میں آرا مختلف تھیں۔ بہتیرے قائلوں کے نام تک قیل کے پس پردہ چھپا دیئے گئے ہیں۔ واقعہ فیل کی متعین تاریخ بتائے بغیر اس سے قبل یا اس کے بعد کے ایام گنانے سے فائدہ نہیں، سوائے اس کے کہ تحقیق کا دروازہ بند کر دیا گیا۔

منقول اقتباسات میں صرف ۳ قائلوں کے نام ہیں (ا) ابن عباسؓ جن کی طرف بحوالہ المواھب اللدنیہ یہ قول منسوب ہے کہ عام الفیل اور عام المیلاد ایک ہیں المنتقی کے حوالے سے ان کی طرف ۴ ان مل اور بے جوڑ اقوال منسوب ہیں۔ (۱) اس سال کی پہلی محرم کو جمعہ کا دن تھا مگر (۲) پانچویں محرم کو یکشنبہ کا دن تھا اور یہی دن قدوم فیل کا دن تھا (۳) محرم کو ختم ہونے کے لئے ۱۳ راتیں باقی تھیں یعنی ۱۷ر محرم کو اصحاب فیل ہلاک ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یوم المیلاد اور یوم الفیل ایک تھا۔ لیکن یوم الفیل سے مراد کونسا دن ہے قدوم فیل کا دن ۵ر محرم یا اصحاب فیل کے ہلاک ہونے کا دن ۱۷ر محرم ابن عباس کی طرف منسوب اقوال منقولہ کی نسبت ناقابل یقین ہے۔

(۲) ابو جعفر محمد بن علی ابن الحسین بن علی بن ابی طالب، شیعوں کے چوتھے امام باقر کی طرف صاحب المنتقی نے بغیر اسناد تین جملے منسوب کئے ہیں:

(۱) رسول اللہ دوشنبہ ۱۰ر ربیع الاول کو پیدا ہوئے۔ ہو سکتا ہے کہ امام صاحب نے ذکر میلاد میں ایسا فرمایا ہو۔

(۲) قدوم فیل کی تاریخ نصف محرم ہے۔ ممکن ہے کہ سورہ فیل کی تفسیر کرتے ہوئے قدوم فیل کی تاریخ نصف محرم امام صاحب نے بتائی ہو۔ امام کی طرف سے یہ قول منسوب نہیں ہے کہ عام الفیل اور عام المیلاد دونوں ایک ہیں۔

(۳) پس یوم الفیل اور یوم المیلاد کے درمیان ۵۵ راتیں گذریں۔ یہ امام باقر کا قول نہیں ہے۔ امام باقر کو اس طرح استدلال کی ضرورت نہ تھی وہ سیدھے سادے طور پر فرما سکتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۱۰ر ربیع الاول کو دوشنبہ کے دن پیدا ہوئے واقعہ فیل اس تاریخ سے ۵۵ دن پہلے کا واقعہ ہے۔ یہ تیسرا قول خود صاحب المنتقی کا قول ہے جس نے خیال کیا کہ:

(۱) عام الفیل اور عام المیلاد ایک تھے (۲) قدوم فیل اور میلاد النبی کے درمیان ۵۵ راتیں گذریں

محرم	۱۵ دن
صفر	۳۰ دن

ربیع الاول ۱۰دن

(۳) امام زہری، ان کے بیان کے مطابق واقعہ فیل عام المیلاد سے ۱۰برس پہلے کا واقعہ ہے، یہی قول تاریخی حقائق کے مطابق ہے۔

اب ہم تمام اقوال کو صحیح صورت میں یوں دہرا سکتے ہیں۔

(۱) واقعہ فیل کا سال عام المیلاد سے ۷۰ سال پہلے گذرا یعنی ۱۲۳ قبل ہجرت

(۲) واقعہ فیل کا سال عام المیلاد (۵۳ق ھ) سے ۴۰ سال پہلے ۹۳فیل۔ قصہ فیل کے ذکر میں اس قول کو جناب مقاتل کا قول بتایا ہے۔

(۳) واقعہ فیل کا سال عام المیلاد (۵۳ق ھ) سے ۳۰ سال پہلے ۸۳ق ھ کتبہ ابرھہ کے مطابق اس سال ابرھہ کو حبش، روما، فارس، اور شام و اعراق کے فرمان رواؤں نے سفارتیں بھیج کر اسے ملک سبا و ذوریدان وحضر موت و عتبہ و اعرالھمو طودم و کنانہ تسلیم کیا۔ یہ سال اصحاب فیل کے سر خیل ابرھہ کی حکومت کا پہلا سال تھا۔ قائل کا نام نامعلوم۔

(۴) واقعہ فیل کا سال عام المیلاد سے ۲۳ سال پہلے۔ واقعہ فیل کے ذکر مین اس قول کو کلبی کا بتایا ہے۔

(۵) واقعہ فیل کا سال عام المیلاد سے ۲۰ سال پہلے ۷۳ق ھ۔ قائل نامعلوم

(۶) واقعہ فیل کا سال عام المیلاد سے ۱۰ سال پہلے ۶۳ق ھ میں صحیح تر قول ہے مگر صراحت اسی کو غیر صحیح بتاتا ہے۔

(۷) عام الفیل اور عام المیلاد دونوں ایک، اس قول کو بغیر کسی سند کے ابن عباس کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔

(۸) عام الفیل اور عام المیلاد سے ۱۵ سال بعد ۳۸ق ھ سے۔

(۹) ۳۰ میلاد مطابق ۷ عام الفیل قول ہشتم و نہم کو ایام النبی میں شمار کیا جاسکتا ہے مگر قول شاذ ہے، بے سند ہے، قائل نامعلوم، اس لئے ان اقوال کو مسترد کیجئے باقی تمام اقوال ایام النبی سے خارج ہیں ان پر غور کرنے کی ضرورت نہیں۔ جن لوگوں نے تاریخ میلاد بتائے بغیر واقعہ فیل کو اس سے میلاد ایک ماہ پہلے بتایا یا تاریخ واقعہ فیل بجائے تغیرات میلاد ۳۰ یا ۴۰ یا ۵۰ یا ۵۵ دن بعد تاریخ میلاد بتائی ہے ان کے اقوال لایعنی ہیں۔ مجہول تاریخوں سے مجہول تاریخ تک کی درمیان گذری ہوئی مدت معلوم بھی ہوتی تو کیا معلوم، واقعہ فیل کی تاریخ سے بحث کا محل یہ نہیں ہے، ہم کو صرف

ایام النبی کی تحقیق مد نظر ہے، ان اقوال کا ذکر اس موقع پر صرف یہ دکھانے کے لئے کیا گیا ہے کہ عام المیلاد مختلف فیہ نہیں تھا بلکہ عام الفیل مختلف فیہ تھا۔ عام المیلاد معلوم تھا ۵۳ ق ھ،

......(۴)......

نمبر ۸، نمبر ۹ کا ذکر عام المیلاد کے تذکرے میں نہیں کیا ہے بلکہ میلاد علی کے تذکرے میں کیا ہے باقی اقوال کے بعد عام المیلاد کے تذکرہ میں صاحب تاریخ الخمیس ارشاد فرماتے ہیں کہ:

نیز اختلاف کیا ہے اس ماہ کی بابت جس میں آپؐ پیدا ہوئے اور مشہور یہ ہے کہ وہ ماہ (۱) ربیع الاول تھا اور یہی جمہور علما کا قول ہے اور جیسا کہ گذرا ابن الجوزی نے اس پر اتفاق نقل کیا (وفیہ نظر) اور اس میں بحث ہے اور کہا گیا ہے کہ آپؐ بروز (۲) عاشور پیدا ہوئے اور کہا گیا ہے کہ (۳) صفر اور کہا گیا ہے کہ (۴) ربیع الاخر اور کہا گیا ہے کہ (۵) رجب میں اور کہا گیا ہے کہ (۶) رمضان میں۔ اور روایت کی گئی ہے ابن عمر سے ایسی سند کے ساتھ جو صحیح نہیں ہے اور وہ موافق ہے اس شخص کے قول کے جس نے کہا کہ حضرت آمنہ ایام تشریق میں حاملہ ہوئیں اور غریب ترین قول اس کا ہے جس نے عاشورا کا نام لیا (۱۶)

اس بیان میں ایام تشریق میں حضرت آمنہ کے حاملہ ہونے کا ذکر ہے لیکن یہ قول کس کا ہے اور سند روایت کی کیا ہے اس کی تخریج کس نے کی۔ یہ باتیں راز ہیں ان کا ذکر نہیں کیا۔ ابن عمرؓ طرف منسوب روایت جس کی سند کو غیر صحیح بتایا ہے مجمل ہے کیونکہ عبارت میں ابن عمرؓ کی بابت وضاحت مذکور نہیں ہے کہ انھوں نے کس ماہ کا نام لیا۔ مگر رمضان کے عین بعد اس مجمل روایت کا وقوع یہ خیال دیتا ہے کہ ابن عمرؓ کی طرف منسوب غیر صحیح روایت میں ماہ میلاد کا نام رمضان ہوگا۔

عاشورا

مولف نے ماہ ولادت کی بحث میں عاشورا کا ذکر کیا۔ لیکن عاشوراء کسی ماہ کا نام نہیں ہے۔ عاشر، عاشور اور عاشورا تینوں کا لغوی مفہوم دسویں تاریخ ہے ہر ماہ کی دسویں پر یہ تینوں لفظ منطبق ہو سکتے ہیں، یہودیوں کے مذہبی سال کے پہلے مہینے کا توراتی نام ابیب ہے جس کو بعد میں یہودی تقویم بنانے والوں نے سریانی نام نیسان سے بدل دیا۔ اس ماہ کی دسویں تاریخ کو عاشور ابیب یا عاشور نیسان کہا جاتا تھا جو مختصر ہو کر عاشور یا عاشورا بن گیا۔ یہ تاریخ یہود کے مذہبی تقویم کے پہلے سال کی دسو

یں تھی۔ یہ عید فسح کا دن تھا یعنی اس واقعہ کا دن تھا جس کا ذکر خدا نے یوں فرمایا:

وَ جٰوَزْنَا بِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ (۱۷)

اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر پار کیا

یہ تاریخ بنی اسرائیل کے سمندر پار ہونے کی، عساکر فرعون کے غرقاب ہونے کی، اور اس روز کی تاریخ تھی جس روز بنی اسرائیل نے کہا تھا کہ اے موسیٰ ہمارے لئے بھی ایک اللہ بنادو جیسے اللہ ان کے ہیں اور موسیٰ علیہ السلام نے جواباً کہا تھا کہ یقیناً تم لوگ ایک جاہل قوم ہو الخ (۱۸) بخاری وغیرہ نے تخریج کی ہے کہ اسی دن خدا نے ہم کو فرعون کے عذاب سے نجات دی۔ مگر یہود نے یہ بات غلط کہی تھی۔ ابیب کی دسویں تاریخ خوشی اور مسرت اور اکل و شرب اور قربانی کی تاریخ تھی۔ یہود کے مذہبی سال کے ساتویں ماہ کا نام سفر ملوک میں ابتانیم ہے مگر تقویم بنانے والوں نے اسے سریانی نام تشری دیا۔ اس ماہ کی دسویں کو یوم کپور (یوم کفارہ) تھا، اس تاریخ کو گناہوں کے کفارہ کے طور پر قربانی کی جاتی تھی، روزہ رکھا جاتا تھا اور یہ توبہ واستغفار اور گناہ گاریوں پر غمگین ہونے کا دن تھا۔ مدینہ والے اس تاریخ یعنی عاشور ابتانیم یعنی تشری کی دسویں کو بھی عاشور یا عاشورہ کہتے تھے۔ تھا تو یہ سال کا ساتواں مہینہ لیکن ہیکل سلیمانی جس کو ہم مسجد اقصیٰ کہتے ہیں اسی ماہ میں تیار ہوا اور مدتوں سے مری ہوئی سنت موسیٰ کے مطابق ۱۰ ابتانیم کو یوم کپور منایا گیا اور تقویم بنانے والوں نے اسے سال کا پہلا مہینہ قرار دیا۔

صاحب تاریخ الخمیس نے آگے چل کر طالع ولادت کے بیان میں لکھا ہے:

وقیل کان وضعه صلی الله علیه وسلم عند طلوع الغفر من منازل القمر وهو ثلاثة انجم صغارینز لها القمر وهو مولد النبی صلی الله علیه وسلم و وافق ذٰلك من الشهور الشمسیة نیسان(۱۹)

اس کے بعد مولف نے بحوالہ روضۃ الاحباب ابو معشر بلخی مشہور منجم کا تیار کیا ہوا رسول اللہ کا زائچہ نقل کیا ہے جو کہ میری فہم کے لئے ہمالیہ کھودنے کے برابر ہے۔ نیسان طلوع غفر کا مہینہ نہیں بلکہ شرطان کے طلوع کے ساتھ غفر کے غروب کا مہینہ ہے۔ نیسان میں عید فسح ہوئی ساتویں ماہ میں جو کہ طلوع غفر کا مہینہ ہے یوم کپور واقع ہوتا ہے۔ مولف نے متضاد روایتوں کو ملا کر

ایک بنادیا ہے۔ بہر حال ایک روایت یہ تھی کہ آپؐ کی تاریخ ولادت کے مہینہ کا سریانی نام نیسان تھا۔ اس ماہ کی ۱۰ویں کو جو کہ یہودی تقویم کے پیچیدہ قاعدے کے مطابق چاند کی آٹھویں تاریخ سے ۱۲ویں تاریخ تک ہوتی ہے عید فسح منائی جاتی تھی۔ سریانی نیسان مارچ کا نام ہے، یہودی نیسان کچھ مارچ میں کچھ اپریل میں واقع ہوتا ہے،

جس طرح یہود پہلے ماہ (ابیب یا نیسان) کی دسویں کو اور ساتویں ماہ (ایتانیم یا تشری) کی دسویں کو مقدس تاریخیں خیال کرتے تھے اسی طرح قریش بھی پہلے ماہ (محرم) اور ساتویں ماہ (رجب) کی دسویں تاریخ کو مقدس تاریخیں خیال کرتے تھے۔ ۱۰ محرم کو قریش روزہ رکھتے۔ مولف نے عاشورا کو ۱۰/ محرم خیال کر کے اس کا ذکر کیا ہے۔

صفر

جن لوگوں نے عام الفیل اور عام المیلاد کو ایک خیال کیا ان میں سے ایک نے اسے یوم الفیل سے ایک ماہ بعد بتایا ہے قدوم اصحاب الفیل اور ہلاک اصحاب الفیل کی تاریخ بحث طلب ہے لیکن ان دونوں واقعات کا ماہ بالاتفاق محرم تھا۔ اس لئے فیل سے ایک ماہ بعد کو صفر کا مہینہ قرار دینا پڑتا ہے۔

قدوم فیل کی تاریخ ایک قول کے مطابق ۵/ محرم تھی۔ ۴/ صفر کو ایک ماہ گذر گیا۔ ۵/ صفر کو تاریخ ولادت قرار دیا اس لئے قدوم فیل کی تاریخ ایک قول کے مطابق نصف محرم تھی ۱۴/ صفر کو ایک ماہ گذر گیا ۱۵/ صفر تاریخ ولادت پھر ہلاکت اصحاب الفیل کی تاریخ ایک قول کے مطابق ۱۷/ محرم تھی۔ ۱۶/ صفر کو ایک ماہ پورا ہو گیا یوم الفیل کو اس تاریخ سے تطبیق دی جائے تو ۱۷/ صفر یوم ولادت قرار پاتا ہے۔ یوم الفیل سے ۴۰ یوم بعد کو ۱۵/ صفر یا ۲۵/ صفر یا ۲۷/ صفر قرار دیا جا سکتا ہے، یوم الفیل سے ۵۰ یوم کو ۲۵/ صفر یا ۵/ ربیع الاول قرار دیا جاسکتا ہے

ربیع الاول

یوم الفیل سے ۵۵ یوم بعد کو ۳۰/ صفر ۱۰/ ربیع الاول یا ۱۲/ ربیع الاول قرار دیا جا سکتا ہے۔ جن لوگوں نے یوم الفیل سے دو ماہ ۱۰ یوم بعد تاریخ ولادت بتائی ان کے نزدیک قدوم اصحاب الفیل کی تاریخ یکم محرم ہو گی اور میلادی تاریخ ۱۰/ ربیع الاول ہو گی، جن لوگوں نے یوم الفیل سے دو ماہ ۶ یوم بعد قرار دی ان کے نزدیک بھی قدوم فیل کی تاریخ یکم محرم ہو گی اور میلاد کی تاریخ ۷/

ربیع الاول ہو گی۔ یہ سب تشریحیں عام المیلاد اور عام الفیل کو ایک سال فرض کرنے پر مبنی ہیں، ہم بتا چکے ہیں کہ ۶۳ برس قمری کے ایام ۲۲۳۲۶ دن یا ایک روز کم ہوتے ہیں۔ یہ ایام ۳۶۰ دنوں والے برسوں کے حساب سے ۶۲ سال ۶ یوم ہوتے ہیں۔ آگے ہم ثابت کریں گے کہ آپ ﷺ نے ۲؍ ربیع الاول ۱۱ھ کو وفات پائی۔ دوشنبہ کے دن ۳؍ ربیع الاول ۵۳ سے ۲۲۳۲۶ کی مدت شروع ہوتی ہے جسے ۲۲۳۲۵ قرار دیا جا سکے اس میں سے ۵ یا ۶ گھٹا دو تو تاریخ ولادت ۸ یا ۹ ربیع الاول قرار پاتی ہے۔

ربیع الآخر

عمر شریف کے ۶۳ برس کو یہودی تقویم کے ۶۳ برس ماننے کی صورت میں یہ مقدار ایک ماہ کم ۶۵ برس ہوئی۔ اس مفوضہ کے مطابق ماہ ولادت ربیع الاول کی بجائے ربیع الاخر قرار پاتا ہے۔

رجب

ہر قول کی وہ غلط ہو یا صحیح اس کی ایک بنیاد ہوتی ہے، قائل کے نام اور اسؒ کے پورے قول اور توجیہ قول کو قیل کے پردۂ اخفا میں رکھ کر بے دلیل اس کے قول کو مسترد کر دینا مورخ کی دیانت پر حرف گیری کا مستوجب ہے۔ یہودی تقویم کے ساتویں مہینہ (ابتانیم) کی دسویں کو ہجری تقویم کے ساتویں ماہ (رجب) کی دسویں قرار دے کر اور اس غلط یا صحیح روایت کی بنا پر کہ آپ ﷺ بروز عاشورا میں پیدا ہوئے رجب کو ماہ ولادت قرار دیا گیا اس کے سوا تسمیہ رجب کی کوئی خاص وجہ سمجھ نہیں آتی۔

رمضان

اس ماہ کو ماہ میلاد قرار دینے کی ۳ وجہیں سمجھ میں آتی ہیں (۱) ایک قول گذر چکا ہے کہ آپؐ ۱۲؍ رمضان ۲۳ فیل کو پیدا ہوئے یہ خیال کلبی کا ہے۔ (۲) تقویم نسی کے مطابق ربیع الاول ۵۳ ق ھ کا نام رمضان تھا۔ عمر شریف کو ساڑھے باسٹھ سال تسلیم کرنے کی صورت میں یہ مدت رمضان ۵۳ ق ھ سے شروع ہو کر صفر ۱۱ھ پر ختم ہوتی ہے جس کے خاتمہ کے بعد آپؐ صرف ایک دن زندہ رہے دوسرے دن عالم جاوداں کو رخصت ہوئے۔

......(۵)......

عام المیلاد اور شہر المیلاد کی بحث ختم کرنے کے بعد صاحب تاریخ الخمیس فرماتے ہیں کہ:

اور غریب ترین قول اس کا ہے جس نے کہا کہ آپؐ بروز عاشوراء پیدا ہوئے اور اس طرح اس بات میں بھی اختلاف کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ مہینہ کے کس دن پیدا ہوئے

(۱) پس کہا گیا کہ وہ غیر معین ہے آپؐ دوشنبہ کے دن ربیع الاول میں پیدا ہوئے مگر یہ دوشنبہ غیر معین ہے

(۲) اور جمہور کے نزدیک وہ اس ماہ کا معین دن ہے

(۳) پس کہا گیا کہ وہ اس ماہ کی دوسری تاریخ کو تھا

(۴) اور کہا گیا کہ وہ ۸ویں ربیع الاول کو تھا۔ کہا الشیخ قطب الدین القسطلانی نے، اور یہی اکثر اہل حدیث کا قول مختار ہے اور نقل کیا اس کو ابن عباسؓ اور جبیرؓ بن مطعم نے، اور اسی کو اختیار کیا ہے ان میں سے اکثر نے جن کو اس سال کا علم ہے اور اختیار کیا اس کو حمیدی اور اس کے شیخ ابن حزم نے اور حکایت کی القضاعی نے عیون المعارف میں اس پر اہل زیچ کا اجماع ہے اور روایت کی اس کی الزہری نے محمدؒ بن جبیر بن مطعم سے اور وہ عالم انساب ہے جسے اس نے اپنے باپ جبیر سے حاصل کیا تھا۔

(۵) اور کہا گیا ہے کہ ۱۰ویں تاریخ کو

(۶) اور کہا گیا ہے ۱۲ویں تاریخ کو۔ اور اس پر عمل ہے اہل مکہ کا زیارت مولد شریف میں

(۷) اور کہا گیا ہے کہ ۷اویں ربیع الاول

(۸) اور کہا گیا ہے کہ ۱۸ویں ربیع الاول اور کہا گیا ہے کہ آخری دونوں قول بالکل غلط ہیں۔

اور مشہور یہ ہے کہ آپ ﷺ ۱۲/ ربیع الاول کو پیدا ہوئے اور یہ قول ہے ابن اسحاق وغیرہ کا اور صحیح یہ ہے کہ آپؐ ربیع الاول میں پیدا ہوئے نہ محرم میں نہ رجب میں نہ رمضان میں نہ ان کے علاوہ کسی اور ماہ میں (۲۰)

ان اقوال پر غور کرو

۸/ ربیع الاول کے قائل ابن عباسؓ کو جبیرؓ بن مطعم کو محمد بن جبیر بن مطعم کو بتایا گیا اور اس کا اکثر اہل حدیث اور اکثر اہل زیچ کو قائل پایا

۱۰/ ربیع الاول کا قائل جیسا کہ بتایا جا چکا ہے امام باقر کو بتایا گیا ہے۔

۱۲ربیع الاول کا قائل ابن اسحاق وغیرہ کو بتایا گیا ہے

عاشورا، ۲ربیع الاول، ۷ربیع الاول اور ۱۸ربیع الاول کے قائلین کے نام قیل کے پردہ خفا میں ہیں چونکہ ان قولوں کی سند کو غیر صحیح بتایا گیا ہے اس پر غور کی ضرورت نہیں ہے۔ ۲ربیع الاول کی بابت روایت کی حقیقت یہ ہے کہ دوشنبہ روز میلاد اور دوشنبہ روز وفات دو میں سے ایک تاریخ ۱۲ربیع الاول اور ایک کی ۲ربیع الاول تھی اس لئے ایک قائل نے ۱۲ر کو تاریخ میلاد اور ۲ر کو تاریخ وفات قرار دیا۔ ایک قائل نے بھول سے یا کسی اور وجہ سے بات الٹ دی۔ یہ بات یقینی ہے کہ آپ ﷺ کی وفات حجۃ الوداع کے بعد والے ربیع الاول میں ایک دوشنبہ کے روز ہوئی۔ حجۃ الوداع کی تاریخ جمعہ ۹ر ذی الحجہ ۱۰ھ ہے۔ ۹ر ذی الحجہ ۱۰ھ سے ۸ربیع الاول ۱۱ھ تک پونے تین ماہ ہوئے جن کے ایام ۸۷۔ ۸۸۔ ۸۹۔ یا ۹۰ ہو سکتے ہیں۔ ان ایام کو ۷ سے تقسیم کیجئے ۳۔ ۴۔ ۵۔ یا ۶ بچیں گے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ۸ربیع الاول کو یکشنبہ یا دوشنبہ یا سہ شنبہ یا چہار شنبہ تھا۔ کسی حساب سے ۱۲ربیع الاول ۱۱ کو دوشنبہ کا دن نہیں ہو سکتا اس لئے ۲ربیع الاول کو یوم میلاد اور ۱۲ربیع الاول کو یوم وفات نہیں ہو سکتا۔ میری نانی اور میری دادی ربیع الاول کو بارہ وفات کا مہینہ اور ربیع لآخر کو بڑے پیر کا مہینہ کہا کرتی تھیں اور ۱۲ربیع الاول کو حضور کی وفات کا غم مناتی تھیں اور فقیر کھلاتی تھیں۔ ۱۱ربیع الاول کو گیارہ پیسے یا گیارہ آنے یا گیارہ روپیہ کی مٹھائی شیخ عبد القادر جیلانی کے نام پر نیاز کرتی تھیں اور مٹھائی فقرا میں نہیں بلکہ معصوم بچوں کو کھلائی جاتی۔ ان کو بھی یقین تھا کہ ۱۲ربیع الاول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی تاریخ ہے۔ مگر خاندان کے مرد ۱۲ربیع الاول کو محفل میلاد سجاتے تھے اور مولود شریف سعیدی پڑھا جاتا تھا۔ خود میں اس تحقیقات سے پہلے تک ۱۲ربیع الاول کو یوم المیلاد اور یوم الوفات دونوں خیال کرتا تھا۔ ۸۔ ۱۰۔ ۱۲ میں سے کون سی تاریخ درست ہے اس کے تعین کے لئے اسی تاریخ الخمیس سے چند اقتباسات نقل کرنا ضروری ہے۔ الشیخ حسین بن محمد بن الحسن الدیار بکری فرماتے ہیں:

(۱) اور اس وقت کی بابت بھی اختلاف کیا گیا جس وقت آپ ﷺ پیدا ہوئے۔ اور مشہور یہ ہے کہ آپؐ دوشنبہ کے دن پیدا ہوئے۔ چنانچہ قتادہ انصاری سے مروی ہے کہ آپؐ سے دوشنبہ کے روز کی وجہ پوچھی گئی تو آپؐ نے فرمایا:

ذلك يوم ولدت فيه و انزل على فيه النبوة (۲۱)

یہ وہ دن ہے جس دن میں پیدا ہوا اور یہ وہ دن ہے جس دن میں نبوت سے مشرف ہوا،

یہ حدیث دلیل ہے اس بات کی کہ آپ ﷺ دن کے وقت پیدا ہوئے،

(۲) اور المسند میں ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (۱) دوشنبہ کے دن پیدا ہوئے اور (۲) دوشنبہ کے دن حجر اسود اٹھایا اور (۳) دوشنبہ کے دن نبوت سے مشرف ہوئے اور (۴) دوشنبہ کے دن ہجرت کے لئے مکہ سے روانہ اور (۵) دوشنبہ کے دن داخل مدینہ ہوئے اور (۶) دوشنبہ کے دن وفات پائی

(۳) اور اسی طرح فتح مکہ اور نزول سورہ مائدہ کا دن دوشنبہ تھا

(۴) اور روایت کی گئی ہے کہ آپؐ طلوع فجر کے وقت پیدا ہوئے چنانچہ عبداللہؓ بن عمرو بن العاص سے مروی ہے کہ مر الظہران میں ایک شامی راہب رہا کرتا تھا جس کا نام عیصی تھا وہ لوگوں سے کہا کرتا تھا کہ اے اہل مکہ عنقریب تمھارے درمیان ایک لڑکا پیدا ہوگا۔

تدين له العرب و يملك العجم هذا زمانه

عرب اس کے مطیع ہوں گے عجم کا وہ مالک ہوگا یہ ہے اس کا زمانہ

توجب بھی مکہ میں کوئی لڑکا پیدا ہوتا تو لوگ اس سے پوچھتے تھے۔ توجب آپ ﷺ پیدا ہوئے تو اس کی صبح کو حضرت مطلب عیصی کے پاس گئے اس کو آواز دی تو وہ باہر نکلا اور بولا:

كن اباه فقد ولد ذلك المولود الذى كنت احد ثكم عنه يوم الاثنين و يبعث يوم الثنين ويموت يوم الاثنين

حضرت عبدالمطلب نے کہا آج رات طلوع صبح کے وقت میرے لئے ایک لڑکا پیدا ہوا۔ عیصی نے پوچھا نام کیا رکھا بولے محمد، بولا واللہ میری خواہش تھی کہ کہ اے اہل بیت وہ تم میں پیدا ہو تین وجوہ سے (۱) آج صبح اس کا ستارہ طلوع ہوا اور آج ہی وہ پیدا ہوا اور اس کا نام محمد ہے۔ روایت کی اس کی جعفر بن ابی شیبہ نے اور ابو نعیم نے ایسی سند کے ساتھ جس میں کچھ ضعف ہے۔ (۲۲)

اس کے بعد مولف نے طالع ولادت کا اور ابو معشر بلخی کے زائچے کا ذکر کیا ہے جس کو نہ میں سمجھا نہ سمجھا سکتا ہوں۔ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ اور المواہب اللدنیہ میں ہے کہ آپؐ رات کے وقت پیدا ہوئے چنانچہ حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ مکہ میں ایک یہودی تاجر تھا جس رات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے اس نے کہا اے معشر قریش کیا آج رات تم میں کوئی لڑکا پیدا ہوا۔ لوگوں نے کہا ہم کو نہیں معلوم اس نے کہا کہ دیکھو اور میں جو کہتا ہوں اس کو یاد کر لو:

ولد الليلة نبي هذه الامة الاخيرة، بين كتفيه علامة فيها شعرات متواترات، كانهن عرف فرس، وفي شواهد النبوة، ولايشرب اللبن ليلتين متتابعين لان عفرتيا من الجن يجعل اصبعه في فيه فيمنعه من شرب اللبن۔ (۲۳)

اس کے بعد لوگ اس سے جدا ہو کر اپنے اپنے گھروں میں پہنچے اور اس بات کا ذکر کیا بس ان میں سے کسی کو خبر دی گئی کہ آج رات عبداللہ بن عبدالمطلب کا ایک فرزند پیدا ہوا، لوگوں نے جا کر یہودی سے اس کا ذکر کیا اس نے کہا کہ مجھے اس کے پاس لے چلو لوگ اسے حضرت آمنہ کے پاس لائے، اس نے لڑکے کو جگا کر دیکھا منہ کھول کر دیکھا الشامہ کو دیکھ کر بیہوش ہو کر گرا۔ لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی کہ بات کیا ہے بولا:

ذهب والله النبوة من بني اسرائيل (۲۴)

روایت کی اس کی حاکم نے، حاکم اور ابو نعیم کی روایتوں کی بابت ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کہ وہ کس پائے کی ہیں۔ ان روایات کا اس بات پر اتفاق ہے کہ (۱) ولادت (۲) بعثت، (۳) مکہ کے لئے ہجرت اور (۴) اور مدینہ میں ورود اور (۵) وفات پر واقعے کا دن دوشنبہ تھا۔ مسلم کی روایت قتادہ کے مطابق خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سوال کے جواب مین دوشنبہ کو کو اپنا یوم المیلاد اور یوم النبوۃ بتایا یہی دوشنبہ کے دن روزے کی وجہ ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ دوشنبہ کے روزے کی وجہ پوچھنے کی ضرورت کیسے ہوئی اور مسنون روزوں کی وجہ کیوں نہ پوچھی گئی۔ کئی اہل علم سے میں نے سوال کیا کسی نے کوئی ایسا جواب نہ دیا جو مجھے یاد ہو۔ مدراس کے ڈاکٹر عبدالحق مرحوم کو صرف ایک انگریزی کالج کا پروفیسر، پھر پرنسپل پھر علی گڑھ کالج کا وائس چانسلر ہونے کی وجہ سے مدرسی ارباب جبہ و دستار علمائے دین متین میں شمار نہیں کرتے تھے لیکن وہ علوم عربیہ خصوصاً فن حدیث اور فقہ کے جید ترین علما میں سے ایک تھے۔ نہ صرف وہ بلکہ ان کے والد محترم مرحوم بھی بڑے پائے کے شیخ الحدیث تھے میں نے ان سے یہ سوال کیا تو انھوں نے انکسار سے کام لیا فرمایا میں کیا اور میرا علم کیا یہ سوال تو مجھے آپ سے کرنا چاہیے

کیونکہ بائبل آپ کے مطالعہ میں رہا کرتی ہے اور آپ یہودی تقویم کو سمجھ سکتے ہیں۔ ان کا یہ مختصر منکسرانہ جواب میرے لئے کافی توضیح تھا، ان کا اشارہ اس طرف تھا کہ دوشنبہ کا دن یہود کے نزدیک روزے کے لئے ایسا نامناسب تھا کہ انھوں نے اپنی تقویم میں اس بات کا خاص خیال رکھا کہ روزے کا کوئی دن خصوصا ۱۰ ارتشری کو دوشنبہ کے دن واقع نہ ہو۔ سوال اغلبا یہود نے یا ان کے زیر اثر کسی نے کیا ہوگا۔

مسلم کی حدیث سے اس دوشنبہ کی تاریخ نہیں معلوم ہوتی۔ جس دوشنبہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی میلاد اور اپنی بعثت کا دن قرار دے کر شکرانے کے طور پر روزہ رکھا کرتے تھے۔ مگر مسند ابوداؤد طیالسی یا کسی اور مسند میں یہ روایت میری نظر سے گذری کہ آپ ﷺ مہینہ کے پہلے پنجشنبہ کے بعد والے دو سوماروں کو روزہ رکھتے تھے۔ پہلی جمعرات کے بعد والے دونوں سوماروں میں سے پہلا سوموار پانچویں تاریخ سے بارہویں تاریخ تک واقع ہو سکتا ہے اور دوسرا بارہویں سے ۱۹ویں تاریخ تک واقع ہو سکتا ہے۔ پانچویں سے پہلی کی اور ۱۹ویں سے بعد کی کوئی تاریخ نہ تو آپ کا یوم میلاد تھی اور نہ یوم بعثت۔

اب ۸۔ ۱۰۔ اور ۱۲ تاریخ سے متعلق اقوال کی وجہ سمجھئے، عرب کے لوگ صرف حج کیلئے چاند کی تاریخ کا لحاظ کرتے تھے۔ کاروبار کے لئے وہ فصلی سال سے کام لیتے تھے اور مہینے کی بجائے سال کے ایام کہا کرتے۔ ۳۶۵ کے سال میں پانچ ماہ کو ۳۱۔ ۳۱ دنوں کا اور سات ماہ کو ۳۰۔ ۳۰ دنوں کا شمار ہونا چاہئے۔ عرب لوگ عیسوی تقویم کی اس بے ضابطی کے پابند نہ تھے ۳۶۵ اور ۳۶۶ دنوں کے ہر سال میں سات ماہ ۳۱۔ ۳۱ دنوں کے، چار ماہ ۳۰۔ ۳۰ دنوں کے اور ایک ماہ میں سال تک ۲۸ دنوں کا چوتھے سال ۲۹ دنوں کا۔ دو قیصروں جولیس اور اگسٹس کے نام معنون مہینوں کو جولائی اور اگست کی خاطر ۵ کی بجائے سات مہینوں کو ۳۱۔ ۳۱ دنوں کا قرار دیا گیا اس احمقانہ اور شاہ پرستانہ بے ضابطی پر اصرار ہے اور اب تک اصرار ہے۔

سال کے پہلے دو ماہ کو (۳۱+۳۱) کی مقدار ۶۲ یوم ماننے کی صورت میں سال کی ۷۰ ویں تاریخ کو ۸ ربیع الاول قرار دیا جا سکتا ہے۔

سال کے پہلے دو ماہ کی تعداد (۳۰+۳۰) ماننے کی صورت میں ۷۰ ویں تاریخ ۱۰ ربیع الاول کو قرار دینا پڑتا ہے

سال کے پہلے دو ماہ کی تعداد (۲۹+۳۰) ماننے کی صورت میں ۷۰ ویں تاریخ کو ۱۱ ربیع

الاول قرار دینا پڑتا ہے

سال کے پہلے دو ماہ کو (۲۹+۲۹) ۵۸ دنوں کا ماننے کی صورت میں ۷۰ ویں تاریخ کو ۱۲/ ربیع الاول مانا جاسکتا ہے۔

تاریخ ولادت ۵۳ ق ھ کی ۷۰ ویں تاریخ تھی جس کو تین طرف حساب سے ۸ ویں، ۱۰ ویں اور ۱۲ ویں ربیع الاول قرار دیا گیا ہر قول کی غلط ہو یا صحیح قائل کے نزدیک ایک نہ ایک دلیل یا وجہ یا بنیاد ہوتی ہے چند قائلوں کے قول کو چھوڑ کر جن کا نہ تو ہم کو نام معلوم ہے نہ ان کا قول بہ تشریح معلوم ہے تقریباً ہر قول کی بنیاد ہم نے بتادی۔ عمر شریف، سال میلاد، ماہ میلاد، یوم میلاد اور تاریخ میلاد، ہر امر کی بابت مختلف اقوال کی وجہ مختلف تقویموں کے مختلف طرق توریخ کا نتیجہ ہے ورنہ بات سب کی ایک ہے۔ آپ ﷺ نے ۵۳ ق ھ کے ۷۰ ویں تاریخ کو جو ماہ ربیع الاول میں واقع تھی، پیدا ہوئے اور حجۃ الوداع کے بعد والے ربیع الاول کے پہلے دوشنبہ کو وفات پائی۔

اب تاریخ وفات متعین کر لیجئے پھر بآسانی ہر معلوم تاریخ کو متعین کیا جاسکے گا:

جمعہ ۹/ ذی حجہ ۱۰ھ تا پنج شنبہ ۲۹/ ذی الحجہ ۱۰ھ	۲۱ یوم
جمعہ تا جمعہ یکم تا ۲۹/ محرم ۱۱ھ	۲۹ یوم
شنبہ تا شنبہ یکم تا ۲۹/ صفر ۱۱ھ	۲۹ یوم
یکشنبہ و دوشنبہ یکم و دوم ربیع الاول ۱۱ھ	۲ یوم
جملہ	۸۱ یوم

کتب تفسیر میں تلاش کیجئے ایک نہ ایک تفسیر میں بغیر سند سہی، ابن عباسؓ کی طرف منسوب یہ قول آپ کو مل جائے گا کہ آپؐ حجۃ الوداع کے بعد ۸۰ یا ۸۱ دن زندہ رہے لیکن چونکہ میں کسی ایسی معلق روایت کو جو بخاری میں بھی تعلیقاً مذکور نہ ہو مشکوک خیال کرتا ہوں اس لئے تاریخ وفات میں نے بزور حساب مقرر کی ہے۔

(۱)	۳/ ربیع الاول ۵۳ ق ھ تا دوشنبہ ۲/ ربیع الاول ۵۰ ق ھ	۱۰۶۴
(۲)	۳/ ربیع الاول ۵۰ ق ھ تا ۲/ ربیع الاول ۲۰ ق ھ	۱۰۶۳۱
(۳)	۳/ ربیع الاول ۲۰ ق ھ تا ۲/ ربیع الاول ۱۱ھ	۱۰۶۳۱
		۲۲۳۲۶ دن

اس عدد کو ۷ پر تقسیم کیجئے ۳ بچیں گے اس کے معنی یہ ہوئے کہ مدت شنبہ سے شروع

ہو کر دو شنبہ پر ختم ہوئی ۳ر ربیع الاول ۵۳ق ھ کو شنبہ تھا اس لئے ربیع الاول ۵۳ق ھ دو شنبہ کا دن ۵۔ ۱۲۔ ۱۹۔ اور ۲۶ تاریخ کو تھا۔

یکم محرم ۵۳ق ھ تا بابت پنجشنبہ ۲۹ر ذی حجہ ۱۰ھ بھی ۲۲۳۲۶ دن ہوئے، ۷ سے تقسیم کے بعد ۳ر بچے۔ مدت سہ شنبہ سے شروع ہو کر پنجشنبہ پر ختم ہوئی یکم محرم ۵۳ق ھ کو سہ شنبہ کا دن تھا۔ اب سال کی ۷۰ ویں تاریخ معلوم ہو گئی۔

سہ شنبہ سہ شنبہ یکم تا ۲۹ر محرم ۵۳ق ھ	۲۹ یوم
چہار شنبہ چہار شنبہ یکم تا ۲۹ر صفر ۵۳ق ھ	۲۹ یوم
پنجشنبہ تا دو شنبہ یکم تا ۱۲ر ربیع الاول ۵۳ق ھ	۱۲ یوم
جملہ	۷۰ یوم

اسی ۱۲ر ربیع الاول کو مختلف تقویموں کے مطابق (۳۱+۳۱+۸) اور (۳۰+۳۰+۱۰) گنا گیا۔

......(۶)......

صاحب تاریخ الخمیس نے قصہ اصحاب الفیل کے بیان میں لکھا ہے کہ:

روی انه لما كان المحرم سنة ثلاث و ثمانين و ثمان مائة من تاريخ ذی القرنين و كان قد مضى من ملك كسرىٰ نوشروان اثنتان و اربعون سنة و كان النبی صلى الله عليه وسلم حملافی بطن امه حضر ابرهة بن الصباه الاشرم يريد يهدم الكعبه (۲۵)

عام المیلاد، شہر المیلاد، تاریخ المیلاد اور یوم المیلاد کی بحث ختم کر کے فرماتے ہیں:

قال صاحب جامع الاصول وغيره حين ولد النبی صلى الله عليه وسلم كان قد مضى من وفات الاسكندالرومی ثمان مائة واثنتان و ثمانون سنة و فی المنتقى بين مولد نبينا محمد صلى الله عليه وسلم وبين آدم مدة مختلف فيها ...... ومن عيسىٰ الى نبينا ـ صلى الله عليه وسلم خمس مائة و ستون سنة او ست مائة سنة

...... و نقل ابن الجوزی فی التقلیح عن ابن عباس و محمد بن اسحاق انه کانت من زمان عیسیٰ الیٰ مولد نبینا علیهما السلام ست مائة سنة و فی روایة خمس مائة و ثمان و سبعون سنة، مما رفع عیسیٰ الی السماء ...... وفی شواهد النبوة من مولد النبی صلی اللّٰه علیه وسلم الیٰ زمن عیسیٰ ست مائة و عشرون سنة ...... و فی صحیح البخاری عن سلیمان انه قال فترة مابین عیسیٰ و محمد صلی اللّٰه علیه وسلم ست مائة سنة ...... و فی المشکوة عن ابی هریرةؓ انه قال لیس بین عیسیٰ و محمد علیهما السلام نبی .... وفی الکشاف وانوار التنزیل الفترة بین عیسیٰ و محمد علیهما السلام ست مائة اوخمس مائة، وتسع وستون سنة واربعة انبیاء، ثلاثة من بنی اسرائیل و واحد من العرب خالد بن سنان العسبی، (۲۶)

ہم نے بیچ بیچ میں کچھ عبارتیں جو حضرت آدمؑ سے حضرت عیسیٰؑ تک مبعوث ہوئے ان کے درمیان فترت کے جو ازمنہ گذرے ان کی مقداریں مذکور ہیں۔ مولف نے یوم المیلاد کے بعد مکان مولد کی بابت اقوال نقل کر کے بیان التواریخ کے زیر عنوان یہ باتیں نقل کی۔ واقعات عہد نبوت کی توریخ میں الجھنیں پیدا کرنے والی ہر روایت اور قول سے عہدہ برا ہونے کے لئے ان اقوال کا نقل کرنا بھی ضروری ہے۔

حضرت موسیٰ کے بعد اور حضرت مسیحؑ سے پہلے جیسا کہ بحوالہ مشکوٰۃ حضرت ابو ہریرہؓ کا قول مذکور ہے کوئی نبی پیدا نہیں ہوا۔ بنی اسرائیل کے اس طبقے کے سوا جس نے دین مسیح قبول کر لیا کسی یہودی نے ان انبیا کے سوا جن کا ذکر سفر تکوین سے لیکر سفر ملاکی تک میں وارد ہے بعد کے کسی شخص کو نبی نہیں مانا خالد بن ستان العبسی اور بتلا بن سفوان دراصل انبیانہ تھے بلکہ عیسائی اولیا تھے اور صحیح دین مسیح متعلقین تھے عبداللہ بن تامر کے مانندین کا ذکر اصحاب الاخدود کے قصہ میں ملے گا۔

قرآن کریم کی ایک آیت میں خدا نے فرمایا:

یٰٓاَهۡلَ الۡکِتٰبِ قَدۡ جَآءَکُمۡ رَسُوۡلُنَا یُبَیِّنُ لَکُمۡ عَلٰی فَتۡرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنۡ

تَقُوْلُوْا مَا جَآءَ نَا مِنْ بَشِیْرٍ وَّلَا نَذِیْرٍ فَقَدْ جَآءَ کُم بَشِیْرٌ وَّنَذِیْرٌ ط
وَاللّٰهُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ O (۲۷)

قرآن کی بولی میں فَتْرَۃٍ مِّنَ الرُّسُلِ سے مراد ایک رسول کی موت یا رفع کے بعد دوسرے رسول کی بعثت سے پہلے وحی والہام سے خالی جو زمانہ گذرتا ہے وہ مراد ہے۔ ان اقوال کو جو کہ نقل کیے گئے فَترۃ مِّن الرُّسُل کے زیر عنوان درج کرنا چاہئے تھا۔ مولف تاریخ الخمیس الشیخ حسین بن محمد بن حسن الدیار بکری کے خیال میں جتنے افراد فَتْرَۃ مِّنَ الرُّسُل کے زمانے میں مثل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آبا و اجداد مرگئے ہرگز عذاب نہ پائیں گے۔ یہی عقیدہ شیعوں کا ہے لیکن شیعی عقیدہ اور ان کے خیال میں بہت بڑا فرق ہے۔ شیعہ کے نزدیک حضرت رسول خداؐ اور حضرت علیؑ کے آبا و اجداد میں سے کوئی کافر و مشرک نہ تھا سب کے سب طیبین اور اطہار میں سے تھے۔ آزر کو وہ حضرت ابراہیم کا باپ نہیں مانتے چچا مانتے ہیں

اِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ اٰزَرَ۔(۲۸)

کے لفظ لِأَبِیْه کا مطلب لِعَمِّهٖ بتاتے ہیں، شیخ حسین بن محمد بن حسن الدیار بکری نے ان تمام آیات واحادیث کو جن سے فترت اور بعد فترت کے زمانے کے مشرکین کی تعذیب کا ذکر ہے،

وَمَا کُنَّا مُعَذِّبِیْنَ حَتّٰی نَبْعَثَ رَسُوْلًا (۲۹)

سے منسوخ بتایا ہے حالانکہ خبر کی خبر تنسیخ نہیں کرتی، خبر یا سچی ہوتی ہے یا جھوٹی، ناسخ یا منسوخ نہیں ہوتی۔ امر اور نہی ناسخ یا منسوخ ہوتے ہیں۔ لیکن مولف کی رائے یہی ہے۔ حضرت عبداللہ اور حضرت آمنہ کو عذاب سے نجات دینے کے لئے مولف نے یہ نہیں کہا کہ یہ لوگ ملت ابراہیم کے پابند تھے بلکہ یہ روایت پیش کی کہ ان کو اللہ نے آپ ﷺ پر ایمان لانے کے لئے زندہ کیا وہ ایمان لائے پھر مر گئے اور ایام فترت پر بحث کی اس بحث کے سلسلے میں یہ بات بھی فرمائی کہ فترۃ تو ہر دور کے رسول کے درمیان کے زمانے کا نام ہے۔

ولکن الفقهاء اذا تکلموا فی الفترة فانما یعنون التی بین عیسیٰ و نبینا علیهما السلام، و ذکر البخاری عن سلمان انها کانت ست مائة سنة، (۳۰)

عیسائیوں کے خیال میں حضرت مسیح ۳۲ء میں اس دنیا سے اٹھ گئے۔ حضرت رسول خدا

صلی اللہ علیہ وسلم کا سال وفات ۶۳۲ء تھا۔ ہم کو یقین ہے کہ سلمان فارسی نے رفع مسیحؑ اور بعثت محمد صلی اللہ علیہما وسلم کے درمیان فترۃ کا زمانہ ۶۰۰ برس نہیں بتایا ہوگا بلکہ ارتفاع مسیحؑ اور وفات محمد علیہما الصلوٰۃ والسلام کے درمیان کا زمانہ بتایا ہوگا۔ ہم بتا آئے ہیں کہ ۶۳ برس قمری کے ایام ۲۲۳۲۶ جولین کے ۶۱ سال اور ۴۶ یا ۴۵ یوم ہوتے ہیں، ۶۳۴ سے ۶۱ حذف کیجئے سال میلاد ۵۷۱ء قرار پاتا ہے۔ ہم بتا آئے ہیں کہ نوشیرواں ۵۳۱ میں بادشاہ ہوا ایک روایت کے مطابق اس سے ۴۰ برس بعد ۵۷۱ء میں آپؐ مبعوث ہوئے (بدایہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر شارع علیہ السلام کے لقب سے ملتا ہے۔ لطف کی بات یہ ہے بحساب جمل شارع کا مطلب ۵۷۱ء میں پیدا ہونے والا ہے۔ آپؐ ۴۰ برس کی عمر میں مبعوث ہوئے ۵۷۱ میں ۳۹ جوڑیئے ۶۱۰ء سال بعثت قرار پاتا ہے یہ قریشی کا ہم عدد ہے۔ یہ لطیفہ ہے جس کا ذکر بے ساختہ قلم پر آگیا۔

مولف تاریخ الخمیس کے نزدیک عام الفیل اور عام المیلاد تک ہی سال کے ایام ہیں اس سال کے محرم کو محرم ۸۸۳ میں تاریخ ذی القرنین اور ۸۸۲ ومات سکندر بتایا ہے۔ قرآن کے اندر مذکور ذوالقرنین اور سکندر کو مولف نے ایک ہی شخص کا نام ولقب کر کے ۸۸۲ و ۸۸۳ سریانی کو تاریخ ذوالقرنین اور تاریخ سکندر قرار دیا۔

سریانی سال کو کو سکندر کی ذات یا اس کی موت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ سریانی سال کا پہلا مہینہ مارچ تھا۔ جنوری اور فروری گیارہویں اور بارہویں مہینے تھے لیکن نہ معلوم کس بنا پر جولین تقویم نے جنوری اور فروری کو پہلا اور دوسرا مہینہ قرار دیا۔ اس لئے سن ۱/۱، سریانی ۳۱۱ ق م کے مطابق ہیں ۱۳۷ سریانی ۵۷۱ ق م کے مطابق ۳۱۳ کے گیارہویں اور بارہویں ماہ کو چونکہ پہلا اور دوسرا ماہ بنادیا گیا اس لئے سن ۱/۱، سریانی ۳۱۲ ق م و ۳۱۱ ق م ہو گیا۔ اور ۵۳ ق ھ ۸۸۳ و ۸۸۲ء کے درمیان بٹ گیا، ۸۸۲ سے ۳۱۱ حذف کرنے سے سال میلاد جیسا کہ مانا گیا ہے ۵۷۹ء ہو گیا، ۸۸۳ سے ۳۱۲ حذف کیجئے وہی ۵۷۱ء سال میلاد قرار پایا۔ نوشیرواں کی تخت نشینی ۵۳۱ء میں ہوئی، اب ہم سنین یوں بیان کر سکتے ہیں سال میلاد ۵۷۱ء، سال بعثت ۶۱۰ء سال وفات ۶۳۲ء

حضرت مسیحؑ اور حضرت محمد علیہما السلام کے درمیان جن لوگوں نے ۶۰۰ برس بتایا ہے انھوں نے ۳۳ لغایت ۶۳۲ء کا شمار کیا۔

ابن جوزی کے بیان کے مطابق رفع عیسیٰ (۳۳ء) اور اور بعثت نبوی (۶۱۰ء) کے درمیان ۵۷۸ برس گذرے (۳۳+۵۷۸=۶۱۰)

المنتقی کے بیان کے مطابق حضرت عیسیٰؑ اور نبی کریم علیہما السلام کے درمیان ۶۰۰ تا ۵۶۰ برس گذرے اس ۵۶۰ برس کی حقیقت سمجھ میں نہیں آتی کاش صاحب المنتقی نے اپنے قول کی وجہ لکھی ہوتی یا اگر لکھی تھی تو مولف نے اس کا ذکر کیا ہوتا۔ بہر حال ان روایات سے متعین ہو گیا کی عمر شریف ۹ یوم کم ۶۳ سال قمری تھی، جو کہ جولین ۶۱ سال چند یوم کے برابر تھی۔ آپ ﷺ ۵۷۱ء میں پیدا ہوئے ۶۱۰ء میں مبعوث ہوئے ۶۳۲ء میں وفات پائی۔

......(۷)......

تاریخ ولادت ۱۲/ ربیع الاول ۵۳ ق ھ، تاریخ وفات ۲/ ربیع الاول ۱۱ھ

دیگر واقعات کی توریخ سے پہلے ہر تاریخ کو متداول عیسوی تقویم کے مطابق کرنے کے لئے حجۃ الوداع کی انگریزی تاریخ متعین کر لینا ضروری ہے اس کے بعد ہر دوسری تقویم کے ساتھ تطبیق میں آسانی ہو گی۔

۱۰ھ سے لیکر آج تک مکی رویت ہلال کے مطابق ۹/ ذی حجہ کو حج ہوا کرتا ہے۔ بخاری اور ترمذی کی روایتوں کے مطابق حضرت عمرؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے ایک یہودی نے کہا کہ قرآن میں ایک آیت ہے الیوم اکملت لکم دینکم الخ اگر یہ آیت ہم پر نازل ہوئی ہوتی تو ہم اس کی تاریخ نزول کو عید مناتے۔ انھوں نے کہا کہ اس آیت کے نزول کا روز یوم عرفہ (۹/ ذلحجہ) اور یوم الجمعہ تھا اس طرح دو عیدوں کا دن تھا۔

۱۳۸۴ھ میں مکی رویت کے مطابق یکشنبہ ۹/ ذی حجہ مطابق ۱۱/ اپریل ۱۹۶۵ء کو حج ہوا۔ جمعہ ۹/ ذی حجہ ۱۰ھ سے ۸/ ذی حجہ ۱۳۸۴ھ مطابق ۱۰/ اپریل تک ۱۳۷۴ برس ہوئے۔ رواں حساب کے مطابق ایک ماہ کی حسابی مقدار ۲۹ دن ۱۲ گھنٹے ۴۴ منٹ ہوتی ہے اور سال کی مقدار ۳۵۴ دن ۸ گھنٹے ۴۸ منٹ کی ہوئی ہے ۳۰ برسوں کے ایام ۱۰۶۳۱ ہوتے ہیں لیکن یہودی تقویم کے مطابق ایک ماہ کی مقدار مذکور مقدار سے $3\frac{1}{3}$ سیکنڈ زیادہ ہوتی ہے یہ سیکنڈیں سال بھر میں ۴۰ سیکنڈ ۳۰ برسوں میں ۲۰ منٹ ۲۱۶۰ برسوں میں ایک دن بنتی ہے اب ۳۵۴ دن ۸ گھنٹے ۴۸ منٹ ۴۰ سیکنڈ کو ۱۳۷۴ سے ضرب دو حاصل ضرب ۴۸۶۹۰۰ دن ۱۲ گھنٹے ۲۰ منٹ ہے۔ لیکن واقعتاً ۴۸۶۹۰۱ دن گذرے۔ محرم ۷۷۶ قبل ہجرت سے شروع ہو کر ذی حجہ ۱۳۸۴ پر تیس تیس برسوں کے ۷۲ دور گذر گئے اس لئے ایک زائد ہو گیا۔

حضرت مسیح علیہ السلام اور حواریان کرام یہودی تقویم کے مطابق عیدیں مناتے تھے اس تقویم کے مطابق مہینے تو قمری ہوتے مگر سال شمسی تھا، چاند کی تاریخوں کے مطابق عیدیں منائی جاتی تھیں۔ ۱۰/ نیسان کو دن اور رات برابر ہوتے اور یہی عید فسح کی تاریخ تھی مگر چوتھی صدی مسیحی میں کلیسا کے پادریوں نے رومی تقویم کو عیسوی تقویم بنالیا۔ عرب کے نصرانیوں کو ۱۳۰۰ سریانی مطابق ۹۸۹ء میں اس غلطی کا احساس ہو گیا اس لئے اس سال انھوں نے ۱۰/ نیسان کو ۲۲ نیسان بنا لیا۔ روماوالوں کو ۱۵۸۲ء میں غلطی کا شعور ہوا۔ پوپ گرے گوری نے محاسبوں کو حکم دیا کہ ۱۵۸۳ کو جو کہ ۳۶۵ دنوں کا سال تھا ۳۵۵ دنوں کا فرض کر لیا جائے اور ایسا حساب بنایا جائے کہ مقدس چاند کی تاریخیں انھیں رومی تاریخوں میں پڑا کریں جو کلیسا نے مان رکھی ہیں۔

جولین تقویم کے مطابق سال کی مقدار ۳۶۵ دن اور ۶ گھنٹے تھی ہر ۴۰۰ برس میں ۱۰۰ برس ۳۶۶ دنوں کے مانے جاتے تھے۔ نیا حساب بنا تو ۴۰۰ برسوں میں ۹۹ برس ۳۶۶ دنوں کے مانے گئے اور سال کی مقدار گھٹ کر ۳۶۵ دن ۵ گھنٹے ۵۶ منٹ ۲۴ سیکنڈ قرار پائی۔ ہر صدی جو کہ ۴ سے برابر تقسیم ہو جائے ۳۶۵ دنوں کی قرار دے دی گئی ۱۵۸۲ سے دس دن چرا لئے گئے، ۱۶۰۰ کو ۳۶۵ دنوں کا مان لیا اور ۱۰/ نیسان کو ۲۱/ نیسان کا نام دے دیا گیا۔ اب اگر ہم رواں حساب سے حجۃ الوداع کی شمسی تاریخ متعین کریں تو وہ تاریخ نہ ہو گی جو ۶۳۲ء میں پائی اور بولی اور لکھی جاتی تھی۔ اس لئے اب حساب یوں کیجئے:

۶۳۲	۳۶۶	دن
۶۳۲ تا ۷۰۰ (۳۶۵×۶۸+۱۷)	۲۴۸۳۷	دن
۷۰۱ تا ۱۵۰۰ (۳۶۵×۸۰۰+۲۰۰)	۲۹۲۲۰۰	دن
۱۵۰۱ تا ۱۶۰۰ (۳۶۵×۱۰۰+۲۴)	۳۶۵۲۴	دن
۱۶۰۱ تا ۱۹۰۰ (۳۶۵×۳۰۰+۷۵)	۱۰۹۵۷۵	دن
۱۹۰۱ تا ۱۹۶۴ (۳۶۵×۶۴+۱۶)	۱۳۳۷۶	دن
کیم جنوری تا ۱۰/ اپریل ۱۹۶۰ء	۱۰۰	دن
جملہ:	۴۸۶۹۷۸	دن
باقی اتا	۴۸۶۹۰۱	دن
زاید	۷۷	دن

جنوری و فروری ۶۳۲ء کے ۶۰ دن اور ۱۷ دن مارچ کے گھٹائے ۱۸/ مارچ ۶۳۲ء کو جمعہ ۹/ ذی حجہ ۱۰ھ تھی۔ یہ تاریخ عید فسح کی تاریخ سے قریب ہے لیکن یہودی تقویم کے مطابق اس فسح کو ادو یعنی یکشنبہ چہار شنبہ اور جمعہ نہیں ہونا چاہئے، یہودی تقویم کے کے مطابق حساب کرنے کے بعد معلوم ہوگا کہ اس سال ۱۸/ مارچ سے پہلے یا بعد کس تاریخ کو ۱۰/ نیسان یہودی تھی۔ مگر بہر حال عید فسح حجۃ الوداع کے ایام میں گذری۔

......(۸)......

اب تاریخ وفات کو عیسوی کے مطابق کیجئے

جمعہ ۹/ ذی حجہ ۱۰ھ مطابق ۱۸/ مارچ ۵۳۲ تا پنجشنبہ ۲۹/ ذی حجہ ۱۰ھ مطابق ۷/ اپریل ۲۱۶۳۲یوم

جمعہ یکم محرم تا ۲۹/ محرم ۱۱ھ مطابق	۶/ مئی ۶۳۲	۲۹یوم
شنبہ تا شنبہ ماہ صفر ۱۱ھ	۴/ جون ۶۳۲	۲۹یوم
یکشنبہ ودوشنبہ یکم ودوم ربیع الاول ۱۱ھ	۳ و ۴/ جولائی ۶۳۲	۲یوم
جملہ		۸۱یوم

تاریخ وفات دوشنبہ ۲/ ربیع الاول ۱۰ھ مطابق ۴/ جولائی ۶۳۲ء حجۃ الوداع اور یوم وفات کی توریخ کے بعد محرم ۵۳ کی پہلی تاریخ کو عیسوی تاریخ سے منطبق کر لیجئے چونکہ غیر مشکوک اور قطعی تاریخ صرف حجۃ الوداع کی تاریخ ہے اس لئے اسی تاریخ سے ہم ہر تاریخ اسی تاریخ سے حساب کرنے پر مجبور ہیں۔ حجۃ الوداع کا مہینہ ۷/ اپریل ۶۳۲ء کو ختم ہوا یکم محرم ۵۳ ق ھ سے لیکر ۱۹/ ذی حجہ ۱۰ھ مطابق ۷/ اپریل ۶۳۲ء تک ۲۲۳۲۶ دن ہوئے اتنے دن جولین حساب سے ۶۱ سال ۴۵ یوم کے برابر ہوئے۔ ۸/ اپریل ۵۷۱ء سے ۷/ اپریل ۶۳۲ء تک ۶۱ سال ہو گئے۔ ۲۲/ فروری ۵۷۱ء سے ۶/ اپریل ۵۷۱ء تک ۴۵ دن ہو گئے۔ اس لئے یکم محرم ۵۳ق ھ کو ۲۲/ فروری ۵۷۱ء یکم محرم ۵۳ق ھ سے ۱۲/ ربیع الاول ۵۳ق ھ تک ۷۰ دن ہوئے اس لئے فروری کے ۸ دن مارچ کے ۳۱ دن اور اپریل کے ۶ دن مل کر ۴۵ دن ہوئے۔ تاریخ ولادت ۶/ اپریل ۵۷۱ء تھی۔

......(۹)......

ہم کو دراصل قرآن مجید کی آیات اور سورتوں کے ازمنہ نزول کی تحقیق کرنا ہے، قرآن کچھ ہجرت نبوی سے پہلے اور کچھ ہجرت نبوی کے بعد اترا اس لئے عمر شریف کی مکی اور مدنی ادوار میں تقسیم کر لینا ضروری ہے۔ پہلا کام یہی کرنا تھا۔ لیکن چونکہ حجۃ الوداع کے علاوہ ہر تاریخ کو اس قرآن نے مختلف قصہ بنادیا ہے اس لئے ہم نے پہلے حجۃ الوداع کی پھر روز وفات کی تاریخیں مقرر کیں اب ہجرت کی تاریخ مقرر کر لینی چاہئے۔ تاریخ ہجرت کے متعلق اقوال مختلفہ کو پیش کر کے صحیح قول کی تشخیص سے پہلے قرآن مجید کی چند آیتوں کو مناسب ترتیب سے پیش کر دینے کی ضرورت ہے۔

(۱) اَمْ يُرِيْدُوْنَ كَيْدًا فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا هُمُ الْمَكِيْدُوْنَ○(۳۱)

کیا ان کا ارادہ کسی بری اُپائے کا ہے بس جو کافر ہیں وہی بری اُپائے میں مبتلا ہوں گے۔

(۲) اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا ○ وَّاَكِيْدُ كَيْدًا ○ فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ○ (۳۲)

یقیناً وہ بری اُپائے کرتے ہیں اور ہم بھی بری اُپائے کرتے ہیں پس مہلت دے کافروں کو اور ان کو چندے مہلت دے

(۳) وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ○(۳۳)

اور تو ان پر غم زدہ نہ ہو اور ان کی بری تجویزوں سے تنگ دل نہ ہو۔

(۴) وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ○ (۳۴)

اور صبر سے کام لے اور نہیں ہے تیرا صبر مگر اللہ کی وجہ سے اور ان کی بری تجویزوں سے دل تنگ نہ ہو۔

(۵) رَبُّ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ

وَ كِيْلًاO وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَ اهْجُرْ هُمْ هَجْرًا جَمِيْلًاO(۳۵)

دو رب ہے مشرق و مغرب کا اس کے سوا کوئی اور خدا نہیں ہے بس اسی کو کارساز مان اور ان کی باتوں پر صبر کر اور ان کا ساتھ خوش اسلوبی سے چھوڑ دے

(۶) وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ط وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُاللّٰهُ ط وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَO(۳۶)

اور (خیال کر اس وقت کا) جب کفار تیرے خلاف تجویزیں کرتے تھے تاکہ تجھے قید یا قتل یا شہر بدر کر دیں وہ تجویزیں کرتے ہیں اور اللہ بھی تجویزیں کرتا ہے اور اللہ کی تجویز ہی بہتر تجویز ہے

(۷) وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ هِيَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِيْٓ اَخْرَجَتْكَ اَهْلَكْنٰهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ O (۳۷)

اور کتنی ہی بستیاں قوت میں تیری اس بستی سے کڑی تھیں جس نے تجھے نکال باہر کیا، سو ان بستیوں کو ہم نے ہلاک کر دیا پس ان کا مددگار کوئی نہ تھا۔

(۸) اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْيَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ط وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ط وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ O (۳۸)

اگر تم لوگ اس کی مدد کرو گے تو اللہ اس کی مدد کر چکا ہے جب کہ کافروں نے اسے نکال دیا دو میں سے دوسرے کی، جبکہ وہ غار میں اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا کہ دکھی نہ ہو بے شک ہمارے ساتھ اللہ ہے، بس اللہ نے اس پر تسکین نازل کی اور اس کی مدد ایسی فوجوں سے کی جن کو تم نے نہیں دیکھا، اور کافروں کی بات کو پست تر کر دیا، اور اللہ کی بات ہی، بلند تر رہی اور اللہ ہے، بالادست حکیم ہے۔

ان آیات کو ہم نے اپنی تحقیق کے مطابق ترتیب نزول سے نقل کیا ہے، تاکہ قصہ ہجرت کی صحیح شکل قرآن سے معلوم کر لینے کے بعد روایات پر نظر کی جائے۔ طور، طارق، نمل اور

نحل مکی سورتیں ہیں۔ مزمل کو مکی قرار دیا جاتا ہے مگر یہ مکی اور مدنی دونوں ادوار کی آیتوں پر مشتمل ہے۔ انفال، محمد اور توبہ مدنی سورتیں ہیں مگر ان آیات میں مکی واقعات کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔

کید و مکر دونوں تقریباً مرادف الفاظ ہیں دونوں کا مطلب کسی کی جان، مال، آبرو کو زیاں پہنچانے کی ایسی تجویزیں سوچنا اور کرنا ہے جس کی مخالف کو خبر نہ ہو اور بے خبری میں وہ ان کی تجویزوں کا شکار ہو جائے۔ مکر اور کید سازش کو بھی کہتے ہیں۔ کفار نے حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں جلا دینے کا فیصلہ کیا تھا ان کے اس فیصلے کی بابت:

فَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ ○ (۳۹)

بس انھوں نے اس کے خلاف بدی کا ارادہ کیا تو ہم نے ان کو ہی نیچا دکھا دیا۔

فَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ○ (۴۰)

اور انھوں نے اس کے خلاف بدی کا ارادہ کیا تو ہم نے ان کو ہی خاسر کر دیا۔

سورہ نمل کے اندر خدا نے ثمود کے ۹ افراد کا ذکر کیا جنھوں نے حضرت صالحؑ اور ان کے اہل کو ہلاک کر دینے کی سازش کی تھی اور اس سازش میں ناکام رہے۔ اس ناکامی کی بابت فرمایا:

وَ مَكَرُوْا مَكْرًا وَّ مَكَرْنَا مَكْرًا وَّ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ○ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَ ○ (۴۱)

اور انھوں نے ایک بدی تجویز کی اور ہم نے بھی ایک بدی تجویز کی جس کا ان کو شعور نہیں ہوا، پس دیکھ ان کی بری تجویز کا انجام کیا ہوا ہم نے ان کو اور ان کی قوم کو سب کو تباہ کر دیا۔

ایسی تجویز کفار مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بھی سوچی تھی جس کی وجہ سے نمل: ۵۰، و نحل: ۲۷ و انفال: ۳۰ نازل ہوئی۔ حضور کو قید یا قتل یا شہر بدر کرنے کی تجویزیں کفار نے طور، طارق، نمل، اور نحل چار سورتوں کے ایام نزول میں سوچیں۔ سورہ نمل کی دو آیتوں میں مہاجروں کا ذکر ہے آخری بار کفار نے صحابہ کرام کی ہجرت کے بعد جب کہ مکہ میں حضرت رسول خدا، حضرت ابو بکرؓ اور چند مجبوروں کے سوا جو اپنے اپنے گھروں میں قید اور محبوس تھے کفار نے آپؐ کو قتل کر دینے کا قطعی فیصلہ کر دیا تو سورہ مزمل میں (واھجر ھم) فرما کر آپؐ کو ہجرت کا حکم دیا اور آپؐ حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ مکہ سے نکلے اور تین شب و روز ایک غار میں جس کو روایات غار

ثور بتاتی ہیں چھپے رہے۔ پھر غار ثور سے نکل کر مدینہ کو روانہ ہوئے۔ اب ہم کو تاریخ ہجرت سے متعلق اقوال و آرا پر غور کرنا ہے، جن واقعات میں کید و مکر کی طرف، طور، طارق، نمل، نحل، انفال اور توبہ کی آیتوں میں اشارے ہیں ان کو دہرانے کی ضرورت نہیں صرف تاریخ ہجرت سے متعلق اقوال پڑھئے، صاحب تاریخ الخمیس نے اقوال جس ترتیب سے نقل کئے ہیں اس کو بدل کر ہم اس طرح نقل کرتے ہیں،

(۱)و فی الاستعاب اذن اللہ لہ فی الھجرۃ الی المدینۃ یوم الاثنین و کانت ھجرتہ فی ربیع الاول وھوابن ثلاث و خمسین سنۃ، و قدم المدینۃ یوم الاثنین قریبًا من نصف النھار فی الضحیٰ الاعلیٰ لاثنتی عشرۃ لیلۃ خلت من ربیع الاول، ھذا قول ابن اسحاق و کذا قال غیرہ، الاانہ قال کان مخرجہ الی المدینۃ لھلال ربیع الاول .... قال الحاکم تواترت الاخبار بأن الخروج کان یوم الاثنین والدخول یوم الاثنین (۴۲)

مولف نے ابن اسحاق کے قول کو پورے کا پورا ایک جگہ نقل نہیں کیا، اس کے اجزا میں سے کچھ چھوڑ کر چند اجزا کو بکھیر کر دیگر اقوال کے ساتھ نقل کیا اس طرح حاکم کے بیان کو بھی پورے ایک سلسلہ بیان میں نقل نہیں کیا ہے۔ غلط اقوال کی وجہ سے بات ژولیدہ ہوگئی ہے۔ میرے پاس مستدرک حاکم نہیں ہے ورنہ حاکم کا پورا بیان ان کے الفاظ میں نقل کرتا۔ مجھے حاکم کا جو بیان یاد آتا ہے اس کا مضمون مولف نے یوں بیان کیا ہے۔

و جمع الحافظ ابن حجر بین ھما، بان خروجہ من مکۃ کان یوم الخمیس ای فی اثناء لیلتہ لما قدمناہ، و خروجہ من الغار یعنی غار ثور لیلۃ الاثنین لانہ اقام فیہ ثلاث لیال، لیلۃ الجمعۃ و لیلۃ السبت و لیلۃ احد، و خرج فی اثناء لیلۃ الاثنین کذا فی المواھب اللدینہ ،(۴۳)

مزمل: ۱۰ کے نزول کے بعد پنجشنبہ یکم ربیع الاول ۱ھ کا دن گذار کر حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ آپ مکہ سے نکلے شب جمعہ، شب شنبہ اور شب یکشنبہ تین راتیں غار ثور میں رہے، جس کا ذکر

تو یہ: ۴۰ میں ہے، یکشنبہ کا دن غار ثور میں گذار کر شب دوشنبہ ۵؍ ربیع الاول ۱ھ کو غار سے نکلے۔ دوشنبہ ۱۲؍ ربیع الاول ۱ھ کو وارد مدینہ ہوئے۔ یہ ہے صحیح تر روایت، متعدد طرق سے مروی، بحوالہ مسند حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے جسے مولف نے نقل کیا ہے گذر چکا ہے جس میں ہجرت کیلئے مکہ سے (یعنی غار ثور سے) نکلنے کے روز اور دخول مدینہ کے روز دونوں کو یوم الاثنین بتایا گیا ہے۔

(۲) قال الکلبی خرج من الغار لیلۃ الاثنین اول یوم من ربیع الاول و قدم المدینۃ یوم الجمعۃ لاثنتی عشرۃ لیلۃ خلت منہ۔ (۴۴)

کلبی نے کہا کہ پہلی ربیع الاول کو شب دوشنبہ میں غار سے نکلے اور جمعہ ۱۲؍ ربیع الاول مدینہ میں داخل ہوئے۔

ہم ثابت کر چکے ہیں کہ آپؐ نے جمعہ ۹؍ ذی الحجہ ۱۰ کے ۸۱ دن بعد دوشنبہ ۲؍ ربیع الاول ۱۱ھ کو وفات پائی۔ ۱۲؍ ربیع الاول ۱ھ سے ۲؍ ربیع الاول ۱۱ھ تک ۹ دن کم دس برس یعنی ۳۵۳۶ دن ہوئے اگر ۱۲؍ ربیع الاول کو جمعہ تھا تو ۲؍ ربیع الاول کو بھی جمعہ ہونا چاہئے۔ اس لئے کلبی کی طرف منسوب قول سراسر غلط ہے۔

(۳) قال ابو عمرو وقد یروی عن ابن شھاب انہ قدم المدینۃ لھلال ربیع الاول ..... و قال ابو عمرو وھو قول ابن اسحاق الافی تسمیۃ الیوم فان ابن اسحاق یقول یوم الا ثنین و الکلبی یقول یوم الجمعۃ و اتفقا لا ثنتی عشر لیلۃ من ربیع الاول(۴۵)

مولف نے خلط اقوال سے عموماً کام لیا ہے ابو عمرو کے دونوں قولوں کے درمیان عبد الرحمان بن المغیرہ کا اور کلبی کا قول ٹھونسا ہے۔ کلبی کے قول کو ٹھونسنے کی تو وجہ ہے مگر عبدالرحمان بن المغیرہ کے قول کو ابو عمرو کے ان دونوں قولوں کے درمیان ٹھونسنے کی کوئی معقول وجہ خلط مبحث کے شوق کے سوا کچھ نہیں ہو سکتی۔ ابو عمرو کے قول اول کے بعد فرمایا

(۴) قال عبدالرحمان بن المغیرۃ قدم المدینۃ یوم الاثنین لثمان خلون من ربیع الاول ، (۴۶)

ابو عمرو کا دوسرا قول نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں،

وغير هما يقول لثمان خلت منه، فالاختلاف ايضاً فى تاريخ قدومه المدينة۔ (۴۷)

پھر چند اور اقوال نقل فرما کر لکھتے ہیں،

و فى سيرة اليعمرى و لما بلغ ثلاثاً و خمسين سنة هاجر من مكة الى المدينة يوم الاثنين لثمان خلون من ربيع الاول (۴۸)

ہم ثابت کر چکے ہیں کہ ۲؍ ربیع الاول اا ھ کو دوشنبہ تھا۔ اگر ہم ۸؍ ربیع الاول کو دوشنبہ مانیں چونکہ ۱۰؍ برس کے ایام ۳۵۴۳ سے کم اور ۳۵۴۵ سے زیادہ نہیں ہو سکتے اس لئے ۷؍ ربیع الاول اا ھ کو دوشنبہ یا سہ شنبہ یا چہار شنبہ ہونا چاہئے اس لئے ۸؍ ربیع الاول کو دوشنبہ قرار دیا۔ اس نئے قاعدے سے ایام نہیں گنے اگر ۸ ویں ربیع الاول کو دوشنبہ تھا تو پہلی ربیع الاول کو بھی دوشنبہ تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ پہلی ربیع الاول کو پنجشنبہ کا دن تھا۔

(۵) و فى الصفوة قال يزيد بن حبيب خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم من مكة فى صفر و قدم المدينه فى ربيع الاول۔ (۴۹)

کلبی کی طرف منسوب یہ قول درست مان لیا جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم غار سے پہلی ربیع الاول کو نکلے تو چونکہ آپؐ غار میں تین شب و روز چھپے رہے، اس لئے ایام غار کو ماہ صفر کے ایام ماننا پڑے گا۔ یزید بن حبیب نے یہی بات کہی ہو گی جس کا روپ بدل دیا گیا اور قول غریب ہو گیا۔ کلبی کی طرف اور عبدالرحمان بن المغیرہ کی طرف منسوب روایت کے رجال کے نام معلوم کئے جائیں تب پتہ چلے گا کہ کس راوی نے بات کچھ سے کچھ کر دی۔

(۶) یزید بن حبیب کے قول کے بعد فرماتے ہیں

و فى الوفاء ذكر موسىٰ بن عقبة عن الزهرى ان الخروج كان فى بقية تلك الليلة و كان ذلك بعد العقبة بشهرين و ليال، (۵۰)

یہ عبارت صفوۃ کی روایت کے بعد نقل کی ہے اس عبارت کے فی تلک اللیلۃ سے ظاہر نہیں ہے کہ کس رات کی بابت موسیٰ بن عقبہ نے ایسا کہا، اس سے بہت پہلے ابو عمرو کی روایت سے

ابن شہاب کا جو قول نقل کیا ہے اس کا راوی موسیٰ بن عقبہ کو فرض کر لیا جائے تو تلک اللیلۃ سے ہلال ربیع الاول مراد ہے اس جملے کے بعد لکھا ہے،

وقال الحاکم بثلاثۃ اشهر اوقریباً منها، و یر جح الاول ما جزم به ابن اسحاق من انه خرج اول یوم من ربیع الاوّل فیکون بعد العقبة شهرین و بضعة عشریوماً ، (۵۱)

ابن اسحاق کے قول کو اور حاکم کے قول کو بکھیر کر مولف نے بڑی ژولیدگی پیدا کر دی ہے۔ حاکم اور ابن اسحاق دونوں کا مکمل قول یہ ہے کہ پہلی ربیع الاول کو آپؐ گھر سے روانہ ہوئے تین شب وروز غار میں رہے۔ پھر دوشنبہ کو غار سے نکلے دوشنبہ کو مدینہ پہنچے۔ مطلب یہ ہے کہ ربیع الاول کی پہلی تاریخ کو جمعرات کے روز آپ گھر سے روانہ ہو کر غار میں پہنچے۔ تین دن اور تین رات غار میں رہ کر، پیر کے روز ۵ ربیع الاول کو غار سے نکل کر مدینے روانہ ہوگئے اور ۱۲ ربیع الاول کو مدینے پہنچ گئے۔

و کذا جزم به الاموی فقال خرج لهلال ربیع الاول و قدم المدینة لا ثنتی عشرة لیلة خلت منه، قال فی فتح الباری و علی هذا کان خروجه یوم الخمیس و هوالذی ذکره محمد بن موسیٰ الخوارزمی لکن قال الحاکم الخ۔ (۵۲)

حاکم کا قول ہم نقل کر چکے ہیں

ابن اسحاق ہی کا قول درست ہے کہ دیگر تمام اقوال غلط ہیں، چھوٹی چھوٹی مدتوں کے حساب میں غلطی کا بہت امکان ہوتا ہے اس لئے ہم نے پہلے حجۃ الوداع کی تاریخ کو معین کر کے تاریخ وفات پھر تاریخ ولادت مقرر کی۔ تیس تیس برسوں کا حساب کرتے ہی ۲۱۵۹ برسوں تک بے خرخشہ اور کسرات کی الجھنوں کے بغیر ہم تاریخیں متعین کر سکتے ہیں۔ ۲۱۶۰ کی مدت میں ایک دن بڑھ جاتا ہے؛ ۳۰ برس کے ایام ۱۰۶۳۱ دن، تین برس کے ایام حساب ۱۰۶۳ دن ۲ گھنٹے ۲۴ منٹ یہ زائد کسر تیں برسوں کے دس دوران کے بعد ایک دن بن جاتی ہیں، اس لئے تیس سالہ دور کے آخری تین سال ۱۰۶۳ کی بجائے ۱۰۶۴ ہو جاتے ہیں۔

۱۰ برس کے ایام کی حسابی تعداد ۳۵۴۳ دن ۱۶ گھنٹے ہوتی ہے اس لئے ۱۰۶۳۱ دنوں کو

دس دس برسوں میں یوں تقسیم کیا جانا چاہئے ۳۵۴۳ + ۳۵۴۳ + ۳۵۴۵۔ دوشنبہ ۱۲/ربیع الاول ۱ھ سے دوشنبہ ۲/ربیع الاول ۱۱ھ تک ۹ یوم کم دس برس کے ایام ۳۵۳۶ ہوئے اس کے بعد عمر شریف کے آخری دس سال کے ایام ۳۵۴۵ ہوئے اور اس حساب سے ۱۲/ربیع الاول ۵۳ق ھ کو آپ ۲/ربیع الاول ۱۱ھ کے ایام یعنی ۹ دن کم ۶۳ برس کے ایام ۲۲۳۱۷ ہوئے۔

ان ایام میں سے ۳۵۳۶ ایام تو مدنی ہوئے سفر ہجرت کے ایام کو بھی مدنی ایام میں شمار کر لیجئے ۳۵۴۷ دن ہوئے اور مکی ایام قبل نبوت و بعد نبوت کی تعداد ۱۸۷۷۰ تھی۔

منقول عبارتوں مین عقبہ اولیٰ کا ذکر رہاہے سورہ توبہ کی آیت نسی کی تفسیر میں اور ایام سنین کی بحث میں ہم نے ثابت کیاہے کہ ۱۰ھ سے پہلے تک ہجری تقویم کے مطابق نہیں بلکہ تقویم کے مطابق حج ہوتا تھا۔ اور نقشہ نسی کا ہم نے ایام وسنین اور سورہ توبہ کی تفسیر میں دیاہے۔ بعثت کے سال ۱۳ق ھ سے جن مہینوں میں حج ہوا اور جن کو ذوالحجہ کا نام دیا گیا ان کی تفصیل ہے،

محرم ۱۳ و ۱۲ق ھ صفر ۱۲ نسی رجب اق ھ و ۱ھ شعبان ۱ھ نسی

صفر ۱۱ و ۱۰ق ھ ربیع الاول ۱۰ نسی شعبان ۲ و ۳ھ رمضان ۳ھ نسی

ربیع الاول ۹ و ۸ق ھ ربیع الثانی ۸ نسی رمضان ۴ و ۵ھ شوال ۵ھ نسی

ربیع الثانی ۷ و ۶ق ھ رجب ۶ نسی شعبان ۶ و ۷ھ ذی قعدہ ۷ھ نسی

جمادی الاول ۵ و ۴ق ھ جمادی الاخریٰ ۴ نسی ذی قعدہ ۸ و ۹ھ ذی الحجہ ۹ھ نسی

جمادی الاخر ۳ و ۲ق ھ رجب ۲ق ھ نسی ذی الحجہ ۱۰ھ کے بعد سے نسی کا دستور ختم ہو گیا

جن مہینوں میں حج ہوتا تھا وہ ذوالحجہ کہلاتے تھے۔ اور نسی کے مہینوں کو صفر کا نام دیا جاتا تھا۔ محرم ۱۵ ذی الحجہ ۱۰ھ تک ۲۵ برسوں میں ۲۴ بار حج ہوئے۔ ذی الحجہ ۱۴ق ھ ماہ نسی تھا۔ اس حقیقت کا لحاظ کئے بغیر تاریخ ہجرت کو دو ماہ چند یوم رجب اق ھ کا نام ذی الحجہ تھا عقبہ ثانیہ کی تاریخ نصف رجب ہجرت کا ماہ عقبہ ثانیہ سے ۲/۹۱ ماہ بعد آیا۔ یہ ۲/۹۱ ماہ فرداً فرداً صحابہ کرام کی ہجرت مدینہ کے ایام تھے۔

......(۱۰)......

دیگر واقعات کی توریخ کے لئے ہم ۲۰ق ھ سے لیکر ۱۰ھ تک کے سنین کے ایام اور آغاز سنہ کے دن اور اس دن کی عیسوی تاریخ کا نقشہ پیش کرتے ہیں تاکہ اقوال مختلفہ میں سے ایک کو ایک

پر ترجیح دینے میں آسانی ہو۔

(۱)	۲۰ق ھ	۳۵۴دن	یکشنبہ	(۱۶)	۵ق ھ	۳۵۴	
(۲)	۱۹ق ھ	۳۵۴دن	پنجشنبہ	(۱۷)	۴ق ھ	۳۵۴	
(۳)	۱۸ق ھ	۳۵۵دن	دوشنبہ	(۱۸)	۳ق ھ	۳۵۵	چہار شنبہ
		۱۰۶۳				۱۰۶۳	
(۴)	۱۷ق ھ	۳۵۴دن	شنبہ	(۱۹)	۲ق ھ	۳۵۴	دوشنبہ
(۵)	۱۶ق ھ	۳۵۴دن	چہار شنبہ	(۲۰)	اق ھ	۳۵۴	جمعہ
(۶)	۱۵ق ھ	۳۵۵دن	یکشنبہ	(۲۱)	اھ	۳۵۵	سہ شنبہ
		۱۰۶۳				۱۰۶۳	
(۷)	۱۴ق ھ	۳۵۴دن	جمعہ	(۲۲)	۲ھ	۳۵۴	یکشنبہ
(۸)	۱۳ق ھ	۳۵۴دن	سہ شنبہ	(۲۳)	۳ھ	۳۵۴	پنجشنبہ
(۹)	۱۲ق ھ	۳۵۵دن		(۲۴)	۴ھ	۳۵۵	دوشنبہ
		۱۰۶۳				۱۰۶۳	
(۱۰)	۱۱ق ھ	۳۵۵دن		(۲۵)	۵ھ	۲۵۴	شنبہ
(۱۱)	۱۰ق ھ	۳۵۴دن		(۲۶)	۶ھ	۳۵۴	چہار شنبہ
(۱۲)	۹ق ھ	۳۵۵دن		(۲۷)	۷ھ	۳۵۵	یکشنبہ
		۱۰۶۳				۱۰۶۳	
(۱۳)	۸ق ھ	۳۵۴دن		(۲۸)	۸ھ	۳۵۴	جمعہ
(۱۴)	۷ق ھ	۳۵۴دن		(۲۹)	۹ھ	۳۵۵	شنبہ
(۱۵)	۶ق ھ	۳۵۵دن		(۳۰)	۱۰ھ	۳۵۵	یکشنبہ
		۱۰۶۳				۱۰۶۴	

۱۰۶۳ کو ۳ سے تقسیم کرنے پر ایک برس کی حسابی مقدار ۳۵۴ دن ۸ گھنٹے ۴۸ منٹ ہوئی ۸ گھنٹے پر تیسرے سال اور اڑتالیس منٹیں تیس برسوں کی مدت میں ایک دن ہوا۔ اس طرح حساب کرنے سے کسروں کی الجھن سے ہم عہدہ برا ہو گئے۔

یکم محرم ۵۳ ق ھ سے لیکر سلخ ذی حجہ ۱۴ق ھ تک کے ایام ۱۴۱۷۵ ہوئے اس طرح

دو شنبہ ۱۲ ربیع الاول ۵۳ ق ھ سے لیکر ۱۱ ربیع الاول ۱۳ ق ھ تک اتنے ہی دن گذرے یہ مدت ۷ سے تقسیم ہو جاتی ہے اس لئے ۱۱ ربیع الاول ۱۳ ق ھ کو یکشنبہ تھا، اب تاریخ بعثت کی بابت مختلف آراوا قوال پر غور کیجئے۔

......(۱۱)......

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت خدا نے فرمایا کہ نزول قرآن سے پیشتر آپؐ غافلوں مین سے تھے۔ (یوسف:۳) یعنی اس قوم کے ایک فرد تھے جس کی بابت فرمایا کہ "ان کے آبا کو نہیں ڈرایا گیا اس لئے وہ غافل ہیں" (یٰس:٦) خدا نے ان کو کچھ کتابیں نہیں دی تھیں جن کو وہ پڑھتے پڑھاتے ہوں اور نہ ان کے پاس کوئی نذیر پہنچا تھا (سبا:۴۴) آپؐ کو توقع نہیں تھی کہ آپؐ پر کوئی کتاب نازل ہونے والی ہے (قصص:۸٦) آپؐ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور نہ ایمان کو (جانتے تھے کہ کیا ہے) (شوریٰ:۵۷) لیکن آپؐ ذریت ابراہیم میں سے تھے جن کی بابت خدا نے فرمایا کہ انھوں نے اپنے باپ اور اور اپنی قوم سے کہا تھا کہ میں بیزار ہوں ان چیزوں سے جن کو تم پوجتے ہو سوائے اس کے جس نے مجھے پیدا کیا سو وہ مجھے راہ (راست) دکھائے گا

وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ۔ (۵۳)

اور (اللہ نے) اسے ان کے پیچھے والوں میں ایک کلمہ باقیہ بنا رکھا ہے تا کہ وہ رجوع کریں۔

حضو صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ کلمہ باقیہ معلوم تھا۔ اور آپؐ باوجودیکہ غافلوں میں سے تھے اور نہیں جانتے تھے کہ ایمان کیا ہے اور ایمان کی ضد کیا ہے مگر جبلی طور پر مومن صالح تھے اور اللہ کے سوا ہر دوسرے معبود سے بیزار تھے۔ عرب میں عام مشرکوں کے علاوہ مجوس تھے، صائبین تھے، نصاریٰ تھے، مختلف فرقے تھے یہود کے مختلف فرقے تھے لیکن آپ ﷺ ان فرقوں میں سے کسی کو پسند نہ کرتے تھے اس لئے لوگ آپ ﷺ کو ابو کبشہ کا فرزند اور صابی یعنی بے خدا شخص کہتے تھے۔ عربی محاورے میں ابن ابی کبشہ کا مطلب وہی تھا جو عبرانیوں کی بولی میں بن بلعال کا مطلب یعنی ایسا شخص جس کا کوئی مذہب نہیں ہر مذھب سے بیزار ہے۔ دو شنبہ ۱۲ ربیع الاول ۵۳ ق ھ سے یکشنبہ ۱۱ ربیع الاول ۱۳ ق ھ تک ۱۴۱۷۵ دن گذرے وہ آپؐ کے ایام غفلت تھے اگر چہ یہ ایام اور ان ایام کے واقعات آپؐ کے قول **فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِنْ قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ۔ (۵۴)** کے

مطابق آپؐ کے ایام غفلت بھی آپؐ کی نبوت کے شواہد ہیں لیکن ہم کو صرف ان ایام سے بحث ہے جو نزول قرآن کے ایام ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ آپؐ ۴۰ برس کی عمر میں مبعوث ہوئے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ عمر شریف کے چالیسویں برس سے قرآن اترنے لگا۔ اللہ تعالیٰ جس کو نبوت سے مشرف کرتا ہے اس کو نبوت سے مشرف کرنے سے پہلے مخصوص قسم کے حکم اور علم (دانش ودانائی) نواز تا ہے چنانچہ:

وَ لُوْطًا اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ۔ (۵۵)

اور ہم نے لوط کو دانش ودانائی دی

حضرت یوسف کی بابت فرمایا:

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ط وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَO (۵۶)

اور جب وہ اپنی جوانی کو پہنچے تو ہم نے ان کو دانائی اور علم بخشا اور نیکو کاروں کو ہم اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں۔

حضرت موسیٰ کی بابت فرمایا:

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰۤى اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ط وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ O (۵۷)

اور جب موسیٰ جوانی کو پہنچے اور بھر پور جوان ہو گئے تو ہم نے اُن کو حکمت اور علم عنایت کیا۔ اور ہم نیکو کاروں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔

حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ کی بابت فرمایا:

وَ كُلًّا اٰتَیْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا (۵۸)

ہم نے دونوں کو حکم یعنی حکمت و نبوت اور علم بخشا تھا،

ان آیات میں جس چیز کو حکما وعلما فرمایا گیا وہ انبیا کے کمالات میں سے تو ہے مگر انبیا کے لئے مخصوص کمالات سے نہیں ہے بلکہ اس سے غیر نبی بھی نوازے جاتے ہیں۔ وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ سے ظاہر ہے۔ یہ دانش کسبی اور تجربی دانش و علم سے برتر وہی دانش و علم ہے جس سے صرف نیکو کاروں کو، صالحین، شہدا، اور صدیقین کو خدا ان کے اتقا واحسان سے خوشنود ہو کر

بطور انعام و اکرام نواز تا ہے۔ یہ وہی دانش و علم ہے۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کی بابت فرمایا

وَاٰتَیْنٰهُ الْحُکْمَ صَبِیًّا۔ (۵۹)

مگر اس آیت میں یٰیَحْیٰی خُذِالْکِتٰبَ بِقُوَّۃٍ کی بابت الحکم کا لفظ وارد انبیا: ۷۴، یوسف: ۲۲، قصص: ۱۴ اور انبیا ۷۹ والے حکمًا و علمًا کا ذکر نہیں ہے۔ حضرت یوسف اور حضرت موسیٰ کو خدا ان کے بلوغ اشد کے وقت حکمًا اور علمًا سے نوازا۔ محسنین کے بلوغ اشد کی عمر جب وہ حکمًا و علمًا سے نوازے جاتے ہیں ۴۰ برس ہے جیسا کہ حَتّٰی اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِیْنَ (۶۰) سے اندازہ ہوتا ہے۔

حضرت موسیٰ نے سفر خروج کے مطابق ۱۲۰ برس کی عمر پائی جو تین ادوار میں منقسم ہے:

(۱) قبل بعثت یا ایام غفلت ۴۰ برس

(۲) بعد بعثت مصر میں دعوت و تبلیغ ۴۰ برس

(۳) ایام تیہ ۴۰ برس

اس طرح جب آپؐ ۴۰ برس کے ہوئے تو آپ ﷺ کی نبوت کا آغاز ہوا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے مطابق آپؐ کی نبوت کا آغاز رویائے صادقہ سے ہوا، اللہ نے عالم رویا میں آپؐ پر علوم و حکم منکشف کئے۔ متعدد احادیث صحیحہ میں وارد ہے نبوت کے ۴۶ اجزا میں ایک سچے خواب ہیں۔ بعض روایات صحیحہ میں وارد ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ نبوتیں جاتی رہیں اور مبشرات باقی رہ گئے۔ لوگوں نے پوچھا مبشرات کیا تو فرمایا سچے خواب جو کوئی مومن دیکھے یا اس کے حق میں کوئی دیکھے۔

عمر شریف کے ۲۲۳۱۷ دنوں میں سے ایام غفلت ۱۴۱۷۵ کو حذف کیجئے ایام نبوت ۸۱۴۲ باقی رہے اس عہد کو ۴۶ سے تقسیم کیجئے ۱۷۷ جواب تقسیم ہوگا جو ایک سال کا نصف ہے اس کو ۷ سے تقسیم کیجئے ۲ بچیں گے ۱۲ / ربیع الاول ۱۳ھ سے ۱۱ / رمضان ۱۳ ق ھ کو سہ شنبہ کا دن تھا ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوشنبہ کے دن کی بابت جیسا کہ گذر چکا ہے فرمایا کہ اسی دن آپؐ پیدا ہوئے اور اسی دن نبوت سے مشرف ہوئے۔ نزول قرآن کے ماہ کا نام خود قرآن میں رمضان: زکو. ہے۔ ۱۳ ق ھ کے رمضان میں دوشنبہ کا دن ۳۔ ۱۰۔ ۱۷ اور ۲۴ تاریخ کو واقع ہوا۔ انھیں چار راتوں

میں سے ایک رات کی بابت خدا نے فرمایا:

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ O (۶۱)

ہم نے اس قرآن کو شب قدر میں نازل کرنا شروع کیا،

اِنَّـآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِیْنَ O فِیْهَا یُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِیْمٍ O اَمْرًا مِّنْ عِنْدِ نَا ط اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِیْنَ O رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ط اِنَّهٗ هُوَالسَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ O (۶۲)

کہ ہم نے اس کو مبارک رات میں نازل فرمایا ہم تو رستہ دکھانے والے ہیں۔ اسی رات میں تمام حکمت کے کام فیصل کئے جاتے ہیں۔

لیعنی ہمارے یہاں سے حکم ہو کر، بے شک ہم ہی پیغمبر کو بھیجتے ہیں۔ یہ تمھارے پر ور دگار کی رحمت ہے، وہ سننے والا جاننے والا ہے۔

اب تاریخ بعثت کے متعلق مختلف اقوال و آرا پر غور کیجئے۔ صاحب تاریخ الخمیس فرماتے ہیں:

عن وهب بن منبه، قال ان صحف ابراهیم انزلت فی اول لیلة من شهر رمضان، و انزلت التوراة علیٰ موسیٰ علیه السلام لست لیال خلون من شهر رمضان ...... و انزلت الزبور علیٰ داؤد علیه السلام لا ثنتی عشرة لیلة خلتَ من شهر رمضان بعد التوراة بخمس مائة عام و انزل الانجیل علیٰ عیسیٰ علیه السلام لثلاث عشرة علیٰ ما فی الکشاف و قیل لثمان عشرة لیلة خلت من شهر رمضان بعد الزبور بالف عام و مائتی عام، و انزل الفرقان علیٰ محمد صلی الله علیه وسلم لا ربع و عشرین او سبع و عشر ین لیلة خلت من شهر رمضان بعد الانجیل بست مائة عام و عشر ین عاما (۶۳)

یہ روایت کیسی ہے کس رتبے کی ہے یہ میں نہیں کہہ سکتا مگر ایک روایت ہے اور حاصل

اس کا یہ ہے کہ صحف ابراہیمؑ، صحف موسیٰ، زبور، انجیل اور قرآن پانچوں کتابیں خدا کی رمضان کے ماہ میں اتریں اور نزول قرآن کی پہلی تاریخ ۲۴ر رمضان یا ۲۷ر رمضان تھی اس قول کو وھب بن بقیہ تابعی کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ جو کہ حضرت ابو ہریرہ کے تلامذہ میں سے ہیں اور اسرائیلی روایات کے علما میں سے ایک تھے۔ انھوں نے ۱۱۰ھ کے بعد ۱۲۰ھ سے پہلے کسی سال میں وفات پائی۔ اس کے بعد مؤلف فرماتے ہیں:

و اختلف فی کیفة انزاله علیٰ ثلاثة اقوال، احدها انه نزل جملة واحدة فی لیلة القدر من اللوح المحفوظ الی السماء الدنیا ...... رواه الحاکم فی مستدرکه عن عباس قال انزل القران جملة واحدة الی السماء الدنیا فی لیلة القدر، ثم نزل بعد ذٰلك فی عشرین سنة، قال الحاکم صح علیٰ شرط الشیخین ...... والقول الثانی انه نزل الی السماء الدنیا فی عشرین، لیلة قدر من عشرین سنة، وقیل فی ثلاث و عشرین لیلة القدر من ثلاث و عشرین سنة و قیل فی خمس و عشرین لیلةقدر من خمس و عشرین سنة ...... والقول الثالث ان جبریل علیه السلام انما القی علیه المعنی و انه عبرهذه الالفاظ بلغة العرب و ان اهل السماء یقرء و نه بالعربیه ...... (۶۴)

ضروری تطویل سے بچنے کے لئے حذف کی دوسری بار کی عبارت ہم آگے نقل کریں گے پہلے منقول عبارتوں پر ہمارا تبصرہ پڑھ لیجئے:

(۱) (۱)۔ صحف ابراہیم، (۲)۔ توراۃ، (۳)۔ زبور، (۴)۔ انجیل، اور (۵) قرآن کی تاریخ نزول سے متعلق قول کے قائل کا نام بتادیا ہے وھب بن منبہ،

(۲) کیفیت نزول کی بابت میں مختلف قولوں میں سے ایک کا قائل ابن عباسؓ کو بتایا

(۳) قول دوم وسوم کے قائلین کے نام "مفہوم شاعر در بطن شاعر ہیں" اس لئے ان پر توجہ کی چنداں ضرورت نہیں، یہ قول ایک کا نہیں بلکہ کم از کم تین اشخاص کے قولوں کو یک جا کر دیا ہے۔ جس نے لوح محفوظ سے آسمانی دنیا پر انزال قرآن کی ۲۵ تاریخیں بتائی ہیں اس کے

نزدیک عمر شریف بوقت وفات ۶۵ برس تھی اس میں سے ۴۰ برس کو حذف کر کے اس نے ۲۵ برس وحی والہام کے تجویز کئے۔ ۲۳ لیلۃ القدر کا قائل عمر شریف ۶۳ برس خیال کرتا تھا اس میں سے ۴۰ حذف کر کے ۲۳ برسوں کو نزول قرآن کی مدت خیال کیا۔ ۲۰ لیلۃ القدر کے قائل دو ہو سکتے ہیں ایک تو وہ جن کے نزدیک عمر شریف ۶۰ برس کی تھی۔ دوسرے وہ جن کے نزدیک عمر شریف تو ۶۳ برس ہو گی نبوت کے ۲۳ برسوں میں سے تین برسوں کو لیلۃ القدر سے خالی باور کرنا۔

سورہ قدر کی تفسیر میں لیلۃ القدر سے متعلق تمام روایات کو جو بخاری اور ترمذی میں ہیں ہم نے نقل کر کے ثابت کیا ہے کہ ان کا اس لیلۃ القدر اور لیلۃ المبارکہ سے واسطہ نہیں جس کا ذکر دخان اور قدر میں ہے بلکہ حضرت رسول خداؐ ہر رمضان میں اعتکاف کرتے تھے۔ ایام اعتکاف کی طاق راتوں میں حضرت جبریل اس زمانہ تک اترا ہوا قرآن آپؐ سے سنتے اور آپؐ کو سناتے تھے، رمضان ۲ و ۸ھ میں غزوہ بدر اور غزوہ فتح مکہ کی وجہ سے آپؐ کو اعتکاف کا موقع نہیں ملا اس طرح ایک اور سال آپؐ نے رمضان کی بجائے شوال میں اعتکاف کیا۔ پہلی لیلۃ القدر کی تاریخ متعین ہے۔ احادیث میں مدنی ایام کی ان راتوں کا ذکر ہے جن میں حضرت جبریل آپؐ سے قرآن سنتے اور سناتے تھے۔ آپؐ نے رمضان ۱۳ق ھ کے بعد ۲۲/۲۱ برسوں میں صرف ۱۹ رمضانوں میں اعتکاف کیا اور ان میں سے ہر رمضان میں حضرت جبریل کو اس رمضان تک اترا ہوا قرآن سنایا اور آپؐ سے سنا، ۲۳ یا ۲۵ لیالی قدر کا ذکر کرنے والوں نے ناقص استدلال سے کام لیا ہے۔ بہر حال قول دوم کے قائل کا نام نہیں معلوم اس لئے اس پر غور کی ضرورت نہ تھی مگر توریخ آیات و سورتیں خلل انداز ہیں

قول ثانی اور قول ثالث کے درمیان کی محذوف عبارت میں سے قابل توجہ صرف یہ عبارت ہے:

ونقل بعضهم عن السمر قندی حکایة، ثلاثة اقوال فی ان المنزل علی النبی صلی الله علیه وسلم، ماهو؟ احدها انه اللفظ والمعنیٰ، وان جبریل حفظ القرآن من اللوح المحفوظ ونزل به، و ذکر بعضهم ان احرف القرآن فی اللوح المحفوظ کل حرف منها بقدر جبل قاف، وان تحت کل حرف معان، لا یحیط

بها الاالله، وهذا معنیٰ قول الغزالي ۔ ان هذه الاحرف سترة لمعانيه، والثاني انه انما نزل جبريل عليه السلام بالمعاني خاصة، وانه صلى الله عليه وسلم تلك المعاني و عبرعنها بلغة العرب، وانما تمسكوا بقوله تعالیٰ نزل به الروح الا مين على قلبك ۔ (۶۵)

قول ثالث وہی ہے جسے ہم پہلے نقل کر چکے ہیں۔ اب ان اقوال کی بابت ہمارا تبصرہ سنئے۔

(۱) یہ بات کہ قرآن پہلے لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر اترا پھر حضرت جبریل نے متفرق اوقات میں آپؐ کو آیتیں سنائیں ایسی بات ہے جس کا علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو ہو سکتا تھا مگر اس باب میں کوئی حدیث مرفوع متصل نہیں۔ حضرت ابن عباسؓ پر موقوف روایت کے بارے میں خیال کیا جا سکتا ہے کہ انھوں نے براہ راست یا بتوسط کسی اور صحابی کے حضرت رسول خدا سے یہ بات سنی ہوگی کیونکہ یہ ایسی خبر ہے جو قیاسی نہیں ہو سکتی۔

(۲) جس شخص نے یہ کہا کہ لوح محفوظ کا ہر حرف جبل قاف کے برابر ہے اسکا نام نہیں معلوم اور نہ اس کے ذریعہ علم کی ہم کو خبر ہے۔ یہ کسی قصاص کی ذہنی عجائب پسندی اور مستعجب گوئی کی تراشی خبر ہی ہو سکتی ہے۔ ہم کو امکان اور عدم امکان کی بحث میں نہیں پڑنا ہے کیونکہ اللہ کو ہر امر پر قادر ماننے والا کسی امر کو حتی کہ سورج کو ایک شخص کی آستین میں ڈال دینے کی خبر بھی عجیب خبر اور ناقابل یقین تو کہہ سکتا ہے مگر ناممکن نہیں کہ اللہ قادر ہے تو ہر امر ممکن ہے۔ ہم کو صرف روایت کو پرکھنا ہے اور مخبر کا نام تک نہیں معلوم۔ اس خبر کو لغو قرار دینا ضروری ہے۔

(۳) امام غزالی کا قول لوح محفوظ کے جبل قاف کے برابر حروف سے کوئی واسطہ نہیں رکھتا۔ وہ ایک لغوی حقیقت کا بیان کرتے ہیں لفظ معنی کا سترہ ہوتا ہے۔ بولنے والا معانی کو الفاظ کے چولے میں ادا کرتا ہے۔ بولنے والے کا مقصد تجوید کے ماہرین کی طرح خوش نوائی نہیں ہوتا۔ گویوں کی طرح آواز کا زیر و بم الاپنا نہیں ہوتا۔ بلکہ سامع کے ذہن میں ایک مفہوم کو اتارنا ہوتا ہے۔ لفظ معانی کا حوالہ ہوتا ہے۔ کسی کے ذہن میں لفظ کے بغیر معنی کو اتارنا خدا کی قدرت میں تو ہے مگر ہما شما کی قدرت میں نہیں ہے۔

قول دوم اور قول سوم میں صرف اس بات کا فرق ہے کہ قول دوم کا قائل معانی کو عربی الفاظ کا جامہ پہنانے والا حضرت رسول خدا کو اور قول سوئم کے قائل نے حضرت جبریل کو قرار دیتا ہے۔ ان دو قائلوں میں سے کوئی نہ تابعی تھا نہ صحابی تھا اور نہ کوئی حدیث و قرآن کے معروف علما میں سے تھا۔ سارے اقوال ذہین و طباع افراد کی نکتہ آرائیاں اور قرآن کریم کے بیان سے متضاد نکتہ آرائیاں ہیں۔ ان اقوال کی تردید کے لئے ہم ذیل میں قرآن مجید کی چند آیتیں پیش کرتے ہیں۔ بیان تو دراز ہو جاتا ہے مگر اس طول کلام سے فائدہ ہی فائدہ ہے۔

(۱) نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ O عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ O بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ O (۶۶)

(۲) اِنَّا اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا (۶۷)

(۳) اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ O (۶۸)

(۴) كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ O (۶۹)

(۵) وَ هٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِيًّا لِّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَبُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ O (۷۰)

(۶) قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِىْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ O (۷۱)

(۷) اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا (۷۲)

(۸) اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ O (۷۳)

(۹) اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا (۷۴)

(۱۰) وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ (۷۵)

(۱۱) وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ءَاَعْجَمِيٌّ وَّ عَرَبِيٌّ (۷۶)

(۱۲) وَلَوْ نَزَّلْنٰهُ عَلٰى بَعْضِ الْاَعْجَمِيْنَ O فَقَرَاَهٗ عَلَيْهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِيْنَ O (۷۷)

ان آیات کو باد نیٰ تامل پڑھنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ قرآن کے معانی کو عربی لغت کا جامہ پہنانے والے نہ حضرت جبریل تھے نہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم۔ لسان عربی مبین کا جامہ معانی قرآن کو خدا نے خود پہنایا۔ اس میں شک نہیں کہ آپؐ کے قلب مبارک پر معانی بغیر الفاظ بھی نازل ہوئے اور ان کو عربی کا جامہ رسول اللہ نے پہنایا لیکن جن معانی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عربی جامہ پہنایا وہ احادیث صحیحہ ہیں نہ کہ قرآن، آپ ﷺ پر بہت سے حقائق خدا نے عالم رویا میں کشف فرمائے۔ قرآن وحی متلو ہے معانی اور الفاظ دونوں الہامی ہیں، احادیث بشرطیکہ ان کا مرفوع متصل ہونا غیر مشکوک ہو وحی غیر متلو ہیں، معانی من جانب اللہ مگر الفاظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یا راویوں کے ہیں۔ بات تو دراز ہو گئی اس ساری عبارت میں توریخ آیات و سورہ سے تعلق رکھنے والی خبر بس یہ ہے کہ پانچوں کتب اللہ رمضان کے مہینے میں اتریں اور قرآن کریم رمضان کی ۲۴ویں یا ۲۷ویں سے اترنے لگا، مولف نے اس کے بعد مکی سورتوں اور مدنی سورتوں کی ترتیب نزول کے متعلق روایات نقل کی ہیں، آگے چل کر ابتدائے نبوت سے لیکر ہجرت تک کے حوادث میں لکھتے ہیں:

(۱) ار نبوت کے حوادث میں سے نزول وحی اور کیفیت نزول ہے

(۲) روایت کی گئی کہ جب آپؐ پورے چالیس برس اور ایک دن کے ہوئے تو اللہ نے آپؐ پر وحی فرمائی

(۳) اور یہ ۲۰ جلوس کسریٰ پرویز بن ہرمز بن نوشیرواں کا واقعہ ہے ایسا ہی المنتقی اور اسد الغابہ میں ہے

(۴) اور المواہب اللدنیہ میں ہے کہ آپ ﷺ جب ۴۰ برس کے ہوئے {اور کہا گیا ہے، اور ۴۰ دنوں اور کہا گیا ہے اور دس دنوں کے اور کہا گیا ہے اور دو ماہ کے} بروز دوشنبہ ۱۷ر رمضان کو اور کہا گیا ہے کہ ۷ار رمضان کو اور کہا گیا ہے ۲۴ر رمضان کو

(۵) کہا ابن عبد البر نے ۸ر ربیع الاول کو، ایسا ہی کہا ابو مرو نے اور زیادہ کہا ۴ فیل

(۶) اور تاریخ القسوی میں ہے کہ بنیان کعبہ سے ۱۵ برس بعد اور روایت کی تضعیف کی ہے

(۷) اور مکحول سے مروی ہے کہ ۴۲ برس بعد ایسا سیرت العمری میں ہے

(۸) اور کہا ابن المسیب نے کہ مبعوث کیا اللہ نے آپ کو جب آپؐ ۴۳ برس کے تھے پھر آپؐ ۱۰ برس مکہ میں۔ اور ۱۰ برس مدینہ میں رہے

(۹) اور کہا گیا ہے کہ آپؐ چھپاتے تھے اپنے امر کو تین برس تک اور چپکے چپکے دعوت دیتے تھے یہاں تک کہ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ (۷۸) نازل ہوئی تب آپؐ نے اپنی دعوت کو ظاہر کیا ایسا ہی اسد الغابہ میں ہے،

(۱۰) المواہب اللدنیہ میں ہے کہ ابتدائے مبعث رجب میں تھا۔

(۱۱) اور کتاب المنتقی میں ہے کہ نازل ہوا آپؐ پر قرآن اور آپؐ ۴۵ برس کے تھے ۲۷ رجب کو (۱۲) اور جمع کیا گیا اس طرح کہ جب لگا تار وحی اترنے لگی ایسا سیرۃ مغلطائی میں ہے، (۷۹)

ابھی بات ختم نہیں ہوئی اس قدر بیان کا جائزہ لے چکنے کے بعد آگے کی عبارت نقل کریں گے تبصرہ کی خاطر ایک ایک فقرے کو ہم نے جدا جدا شمار دیا ہے۔ ان اقوال میں حسب ذیل کتابوں کا حوالہ آیا ہے

(۱) المنتقی فقرہ نمبر ۳ و نمبر ۱۱ (۴) تاریخ القسوہ فقرہ نمبر ۶

(۲) اسد الغابہ فقرہ نمبر ۲ و نمبر ۹ (۵) سیرۃ العمری فقرہ نمبر ۷

(۳) المواہب اللدنیہ فقرہ نمبر ۴ و نمبر ۱۰ (۶) سیرۃ مغلطائی

تاریخ القسوۃ کے بیان پر کسی تبصرہ کی ضرورت نہیں ہے صاحب سیرت نے روایت کو ضعیف قرار دیا ہے، مولف سیرۃ العمری نے شام کے مشہور فقیہ و محدث کا قول نقل کیا یہ طبقہ پنجم کے راوی تھے یعنی ان میں سے تھے جنھوں نے ایک یا دو صحابی کو دیکھا تو لیکن کسی صحابی سے کوئی حدیث نہیں سنی۔ اہل شام برس کو ۳۶۰ دنوں کا گنتے تھے۔ عمر شریف اب ۹ یوم کم ۶۳ برس کے ایام ۲۲۳۱۷ کو ۳۶۰ سے تقسیم کر کے دیکھو یہ ایام شامی حساب سے ۳ یوم کم ۶۲ برس کے برابر ہوئے ان ۶۲ برسوں میں سے دس مکی برسوں اور دس مدنی برسوں کو حذف کر کے پانچوں شامی نے تاریخ بعثت بتائی لفظی فرق کے ساتھ بات وہی ہے جو فقرہ نمبر ۸ میں ابن المسیب کی طرف منسوب ہے۔ مکہ کے سوا اور مقامات کے لوگوں کو آپ ﷺ کی بعثت کا علم ۴ نبوت (۱۰ قبل ہجرت) کو ہوا۔ ۴۳ برس قمری کے ایام ۱۵۲۳۸ کو ۳۶۰ سے تقسیم کر کے دیکھو ۴۲ سال ۱۰۸ دن ہوئے پانچوں شامی نے سال بعثت عمر شریف کے ۴۳ ویں سال کو بتایا اور یہی قول ابن المسیب کا ہے جس کو بغیر حوالہ کتاب مولف نے نقل کیا ہے۔

سیرۃ مغلطائی کا قول مجمل ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک روایت کے مطابق آپ ﷺ ۴۰ برس کے ہوئے تب سے آپؐ پر وحی نازل ہونے لگی۔ دوسری روایت ۴۳ برس کی تھی

دونوں روایتوں کو تطبیق یوں دی کہ ۴۳ سے لگاتار وحی اترنے لگی۔ سیرۃ مغلطائی کا بیان روایتی خبر نہیں ہے بلکہ وہ خبروں کے تضاد کو دور کرنے کی ایک تجویز ہے۔

المنتقی کی روایت (فقرہ نمبر ۱۱) کی بابت نہیں معلوم کہ قول کس کا ہے خود صاحب المنتقی کا یا کسی اور کا۔ عمر شریف بوقت بعثت ۴۵ برس عمر شریف کو ۶۵ برس تسلیم کرنے پر اور ایام نزول قرآن ۲۰ برس فرض کرنے پر مبنی ہے، رجب کو نزول قرآن کا مہینہ قرار دینا تکذیب قرآن کی نوعیت رکھتا ہے، خدا نے فرمایا شہر رمضان الذی انزل فیہ القرآن۔ المنتقی نایاب کتاب ہے، الشیخ دیار بکری نے المنتقی سے جو روایتیں نقل کی ہیں ان میں اکثر لغو روایتیں ہیں۔

المنتقی اور اسد الغابہ کی مشترک روایت سال بعثت کو ۲۰ جلوس پرویز بتاتی ہے۔ یہ تطبیق غلط ہو یا صحیح اس پر بحث کی ضرورت نہیں کیونکہ اس کا تعلق تاریخ ایرانی سے ہے نہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایام حیات سے۔ پرویز کا ۲۰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سال بعثت کے مطابق تھا یا نہیں تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت نویسی کے لئے ضروری نہیں، ایرانی تقویم ہجری یا عرب میں رائج کسی تقویم کے ضابطہ پر مبنی شکل۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے متعلق عرب کی روایات پر غور کرنا چاہئے، اصحاب فیل کی تاریخ سے بحث کرتے ہوئے ہم شاہان ایران کا ذکر بھی کریں گے۔ پرویز بدبخت شاہ ایران تھا جس کا ذکر ۴ھ میں رسول اللہ نے جو نامہ ہائے مبارک بادشاہوں کے نام بھیجے ان کے تذکرے میں آئے گا۔

اسد الغابہ کی دوسری روایت میں یہ مذکور ہے کہ آیت **وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ** کے نزول سے پیشتر آپ ﷺ اپنے امر کو مخفی رکھتے تھے۔ اس قول کی ثقاہت پر ہم صرف اتنا کہیں گے کہ قائل نے اگر سورہ شعراء پوری پڑھ لی ہوتی اور سبب نزول سورہ شعراء کا خود اس سورہ کی آیات سے معلوم کر لیا ہوتا تو رسول اللہ پر اخفائے دین کا بہتان تصنیف کرنے کی ضرورت نہ تھی، واقعہ صرف یہ ہے کہ جب تک

اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ (۸۰)

قُلْ يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا (۸۱)

نہیں اتری تھی تب تک آپؐ حکم خدا کے مطابق صرف یہ:

(۱) **يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَآ اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ** (۸۲)

(۲) اِنْ یُّوْحٰۤی اِلَیَّ اِلَّاۤ اَنَّمَاۤ اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ (۸۳)

(۳) اِنِّیْ لَکُمْ مِّنْهُ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ (۸۴)

یہ باتیں حکم الٰہی کے مطابق آپ ﷺ غیر مسلموں سے کہتے

(۴) اِنَّمَاۤ اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ (۸۵)

(۵) مَاۤ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ (۸۶)

(۶) اِنَّنِیْ لَکُمْ مِّنْهُ نَذِیْرٌ وَّبَشِیْرٌ (۸۷)

(۷) اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ وَّبَشِیْرٌ (۸۸)

پہلے آپ ﷺ خود کو نذیر کہتے تھے جن میں سے کچھ لوگ مسلمان ہو گئے تو آپؐ حکم الٰہی کے مطابق خود کو نذیر کے علاوہ بشیر بھی کہنے لگے کئی آیتوں میں خدا نے فرمایا کہ آپؐ صرف بشیر ونذیر ہیں، سورہ یٰس میں خدا نے فرمایا کہ اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ کفار نے جیسا کہ رعد میں مذکور ہے کہ لَسْتَ مُرْسَلًا یٰسٓ اور رعد کے بعد اعراف اتری جس میں آپ ﷺ کو (انی رسول اللہ) فرمانے کا حکم دیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے کھل کر اپنے رسول ہونے کا اعلان کیا۔ رسول اور نبی کے مذہبی مفہوم سے اہل کتاب بھی واقف تھے، اس لیے یا ایہا الرسول اور یا ایہا النبی صرف مدنی سورتوں میں وارد ہے۔ کلمہ طیبہ کا جزو اول مکی آیت ہے لا الٰہ الا اللہ (صافات) اور جزو دوم محمد رسول اللہ (فتح) مدنی آیت ہے۔ انذار عشیرۃ سے پہلے آپ ﷺ برابر لوگوں کو خدا کا کلام سناتے تھے۔ تاریخ انذار عشیرہ کے بیان میں اس پر ہم مفصل روشنی ڈالیں گے۔

مواہب لدنیہ کے اقتباس کو ایک جگہ بیان کرنا چاہئے تھا مگر خلط اقوال کی غرض سے مولف نے بکھیر دیا ہے۔ اقتباس نمبر ۱۰ میں بحوالہ مواہب لدنیہ تاریخ بعثت کو رجب بتایا ہے۔ رجب سال کا ساتواں مہینہ یہود کے ساتویں ماہ تشری کا مرادف نہیں مگر اس کا بدل ہے تشری کی دسویں کو بھی عاشوراء کہا جاتا تھا۔ یہودی تقویم کے ۶۳ سال ہجری تقویم کے ایک ماہ کم ۶۵ سال قمری کے برابر ہیں اب ۶۳ سال کو یہودی ۶۳ سال ماننے کی صورت میں ۱۲ ربیع الاول ۵۳ ق ھ و ۱۳ ق ھ کو ۱۲ ربیع الثانی ماننا پڑے گا۔ ۵۳ ق ھ کو افیل قرار دینے کی صورت میں جن لوگوں نے تاریخ ولادت فیل سے دو ماہ دس دن بتائی ہے ان کے حساب سے (۳۰+۳۰+۱۰) سال کی ۷۰ ویں ۱۰ رجب قرار پائے گی۔ اسی قسم کے غلط حساب نے تاریخ بعثت کو رجب قرار دیا۔

اقتباس میں (لما بلغ اربعین سنہ) اور (تسع عشرۃ لیلۃ خلت من رمضان) کے درمیان بہت سے قیل کا اضافہ کر کے بات کو ناقابل فہم بنادیا ہے۔ یعنی قیل کو حذف کردیجئے تو اصل عبارت غیر مخلوط یہ ہوئی کہ

لما بلغ اربعین سنة (اوحی الله) تسع عشره لیلة خلت من رمضان و قیل تسع وقیل لاربع و عشرین لیله

مولف نے صاحب المواہب کا قول کاٹ چھانٹ کر نقل کیا ہے "اوحی اللہ" جیسے ضروری فقرے تک کو حذف کر دیا ہے المواھب اللدنیہ میرے پاس نہیں ورنہ صاحب المواھب کا مکمل قول نقل کرتا۔ ۱۷ر رمضان ۱۳ھ کو دوشنبہ تھا اس لئے ۲۴ر کو بھی دوشنبہ تھا صحف سماویہ کی نزول کی تاریخوں کے ذکر میں وہب بن منبہ کا قول گذر چکا ہے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ولادت اور نبوت کے شکرانے کے طور پر پہلی جمعرات کے بعد والے دو سوماروں کو روزہ رکھتے تھے جو کہ ۵ویں سے پہلے اور ۱۹ویں کے بعد نہیں ہو سکتے تھے اس لئے ۲۴ویں کی تاریخ غلط ۷ر رمضان بھی غلط ہے کیونکہ ۷ر رمضان ۱۳ق ھ کو چہار شنبہ تھا۔

ابن عبدالبر کی طرف بھی منسوب قول غلط ہے کیونکہ ۸ر ربیع الاول کو دوشنبہ نہیں تھا۔ ربیع الاول ۱۳ق ھ نویں دوشنبہ کا دن ۵۔ ۱۲۔ ۱۹۔ ۲۶ تاریخ کو تھا۔ ابن عبدالبر کا قول مولف نے بے حوالہ کتاب نقل کیا ہے پھر ابن عبدالبر کے علم کی خبر بھی نہیں، ناموں کی عظمت سے محقق کو مرعوب نہ ہونا چاہئے ایسے ہی غلط اور بے بنیاد اقوال نے تاریخ حجۃ الوداع کے علاوہ عہد نبوت کے ہر واقعے کی تاریخ کو مشکوک بنا رکھا ہے۔ ابن عبدالبر بڑے عالم تھے لیکن وہ ایام وسنین کے علما میں سے نہ تھے۔ تاریخ نزول قرآن ۱۷ر رمضان تھی نہ کہ کوئی اور تاریخ۔ اب اس کے بعد کی عبارت پڑھئے۔

(۱۳) اور کہا بعض علمائے اہل حدیث نے کہ ابتدائے وحی منام میں ہوئی ربیع الاول ۴۱ (میلاد) میں اور بیداری میں وحی کی ابتدا اور نزول قرآن کا واقعہ اسی سال کے رمضان میں ہوا۔

(۱۴) اور انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۴۰ برس کی عمر میں مبعوث ہوئے

(۱۵) اور روایات میں صحیح یہ ہے کہ آپؐ کی نبوت کا آغاز سوتے وقت رویائے صادقہ سے ہوا۔

آپؐ جو خواب بھی دیکھتے تھے وہ صبح صادق جیسا ہوتا تھا جیسا کہ آگے حضرت عائشہ کی حدیث آتی ہے

(۱۶) آپ ﷺ پر بحالت منام چھ ماہ تک وحی اترتی رہی یہاں تک کہ جبریل ظاہر ہوئے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا کہ رویائے صالحہ نبوت کے ۴۶ اجزا میں سے ایک ہے یہ مطلب ہوا کہ نبوت کے ۲۳ برسوں میں سے چھ ماہ ایام رویا میں اور باقی مدت (۲۲۱/۲ سال) بیداری میں وحی کی۔

(۱۷) اور روایت کی گئی ہے محمد بن احمد بن عبدالبر سے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے جب کہ آپؐ کی عمر ۴۰ برس کی تھی۔ آئے آپؐ کے پاس جبریل شب شنبہ اور شب یکشنبہ، کو اور ظاہر ہوئے رسالت کے ساتھ غار حرا میں بروز دوشنبہ ۱۷ رمضان کو اور وہ پہلا مقام ہے جہاں قرآن نازل ہوا علق تا ۵ (۸۹) اس کے بعد بات کو اور طول دیتے ہوئے لکھا:

اور روایت کی ابو قتادہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ آپؐ سے پوچھا گیا دوشنبہ کے روزے کی بابت تو فرمایا کہ میں اسی دن پیدا ہوا اور اسی دن مبعوث ہوا

اور اس میں اختلاف کیا گیا کہ کس دوشنبہ کو مبعوث ہوئے۔ پانچ قول ہیں

اول، ۷ رمضان

دوم، ۲۴ رمضان روایت کی اس کی قتادہ نے

سوم، ۱۸ رمضان روایت کی اس کی ابوایوب نے ابو سلامہ سے

چہارم،= وہ دوشنبہ رجب میں تھا روایت کی گئی ہے ابو ہریرہؓ سے کہ انھوں نے کہا جس نے ۲۷ رجب کو روزہ رکھا اللہ اسے ۶۰ مہینوں کا روزہ لکھ لے گا اور یہ وہ یوم ہے جس میں حضرت جبریل آپؐ پر رسالت لیکر اترے

پنجم، وہ ۲ ربیع الاول تھا (۹۰)

اس بیان پر ہمارا تبصرہ یہ ہے کہ ۷ رمضان غلط ہے کیونکہ رمضان ۱۳ میں دوشنبہ کا دن ۳۔ ۱۰۔ ۱۷۔ ۲۴ کو تھا۔ آپ ﷺ اپنی ولادت اور نبوت کی یادگار میں ۵ ویں سے لیکر ۱۹ ویں تک واقع ہونے والے دوسو مواروں کو روزہ رکھتے تھے اس لئے ۲۴ رمضان کی بابت بھی قول غلط ہے۔ قتادہ کی طرف منسوب روایت کا پتہ نہیں دیا ہے کہ کس نے کیسی سند سے اس کی تخریج کی۔

رجب سے متعلق روایت بے بنیاد ہے حضرت ابو ہریرہؓ کی طرف منسوب روایت پوری

سند کے ساتھ کسی کتاب میں دیکھ چکا ہوں اور خوب یاد ہے کہ اس میں یہ عبارت نہیں ہے کہ (اور یہ وہ یوم ہے جس میں جبریل رسالت کا پیام لے کر اترے) اگر کسی ایسی روایت میں جو میری نظر سے نہیں گذری یہ فقرہ بھی ہو تو اس کا تعلق پہلی وحی سے نہیں ہے اور نہ دوسری وحی سے ہے۔ رسالت کا پیغام لیکر جبریل اس وقت اترے جبکہ اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ یا قُلْ یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا نازل ہوئی اس لئے رجب کے متعلق جو روایت ہے وہ یس، اعراف اعلیٰ کے نزول سے متعلق روایت ہے اس لئے پہلے آپ ﷺ کو صرف یہ بتایا گیا تھا کہ آپؐ ایک منذر اور ایک بشیر ہیں۔ آپ کو صرف اِنَّنِیْ لَکُمْ مِّنْہُ نَذِیْرٌ وَّبَشِیْرٌ فرمانے کا حکم تھا۔ روایتوں کو قرآن پر قربان کر کے سمجھنا چاہئے، قرآن کو روایتوں پر قربان نہیں کرنا چاہئے بلکہ قرآن پر روایتیں قربان کی جاسکتی ہیں میرا یہ فیصلہ قال فلاں اور راوی عن فلاں پر قرآن کی بہتیری آیتوں کو قربان کرنے والے جبے اور عمامے تو چراغ پا اور آتش بدہن ضرور ہوں گے مگر میرا پیام ان کو یہ ہے۔ ایاز قدر خود بشناس۔

تِلْکَ اٰیٰتُ اللّٰہِ نَتْلُوْ ھَا عَلَیْکَ بِالْحَقِّ فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَ اللّٰہِ وَاٰیٰتِہٖ یُؤْمِنُوْنَ O (٩١)

یہ ہیں اللہ کی آیتیں جو ہم تجھے حق بحق پڑھ کر سناتے ہیں تو اللہ اور اس کی آیتوں کے بعد کس بات پر وہ ایمان رکھتے ہیں۔

صحیح الاسناد مرفوع روایتیں ضرور سند ہیں مگر چونکہ راویوں کی بھول چوک کا امکان ہے اس لئے قرآن کے مطابق روایتوں کی تعبیر کرنے پر ہم مجبور ہیں، ہمارا مقابلہ صحابہ کرام سے نہ کیجئے۔ وہ بے واسطہ رسول اللہ کے منہ سے آپ ﷺ کے ارشاد سنتے تھے ہم کو کئی عن فلاں کے توسط سے ارشاد رسول کا علم ہوتا ہے۔ صحابہ کے سامنے یہ سوال تھا نہیں کہ فقرہ واقعی حدیث رسول ہے یا نہیں ہمارے سامنے یہ سوال ہے، صحابہ کے حالات پڑھئے وہ بسا اوقات قرآن پڑھ کر خود اپنے کانوں سے سنی ہوئی حدیث کو اس خیال سے چھوڑ دیتے تھے کہ یادداشت سے غلطی ہوسکتی ہے۔

جس شخص نے ٢/ ربیع الاول کو دوشنبہ قرار دیا اس نے ٤٠ برس کے ایام صرف ١٤١٧٤ دن لئے، ١٦ گھنٹوں کی زائد کسر کو چھوڑ دیا۔ ہم نے ایام شماری کا وہ طریقہ اختیار کیا ہے جس میں کسر کو خلل انداز ہونے کا موقع نہیں ملتا۔ ایک دن کی کمی کی وجہ سے ٤٠ برس اور ایک دن خود بخود ٤٠ برس ٢ دن ہو گیا اور اس حساب سے ١٧/ رمضان کو ١٨/ رمضان بنا دیا۔ یہ تو حساب کی غلطی ہوئی۔

خود نزول قرآن کی پہلی تاریخ کے بارے میں متعدد کتب کے اندر حضرت ابن مسعودؓ کا قول مروی ہے کہ وہ ۱۷ر رمضان کو تھی۔ فرض کیجئے السابقون الاولون میں سے کسی اور سے ۱۸ر رمضان مروی ہے تو اس صورت میں یہی خیال کرنا پڑتا کہ ایک ہی تاریخ کو ایک نے ۱۷ر دوسرے نے اسی ماہ کے مطابق ۱۸ر کہا اب حساب سے ۱۷ر کے قائل کی بات کو صحیح ثابت کرو۔

حاصل بحث یہ ہے کہ دوشنبہ ۱۲ر ربیع الاول ۱۳ق ھ کو نبوت منامیہ کا آغاز ہوا۔ دوشنبہ ۱۷ر رمضان قرآن اترنے کی ہم نے تمام دیگر اقوال کی توجیہ کر کے یہ فیصلہ کیا ہے۔ قبول عام کی دلیل سے خواص کے قول کو مسترد نہیں کیا ہے کیونکہ کسی قول کا مقبول عام ہونا میرے نزدیک اس کی صحت کی دلیل نہیں۔

تاریخ ولادت ہم ۶ر اپریل ۵۷۱ء ثابت کر چکے ہیں۔ ۱۴۱۷۵ کو ۳۶۵/۴ سے تقسیم کر کے دیکھئے جو اس قاعدے سے اس قدر ایام ۷۰ یوم کم ۳۹ برس کے برابر ہوئے۔ ۵ر اپریل ۶۱۰ء کو ۲۹ برس پورے ہو گئے۔ ۲۶ر دسمبر ۶۰۹ء ۵ر اپریل تک ۷۰ دن ہوئے۔ نبوت منامیہ کی تاریخ ۲۶ر دسمبر ۱۲ر ربیع الاول ۵۳ق ھ لغائب ۱۷ر رمضان ۱۳ق ھ تک (۱۴۱۷۵ + ۱۸۳) ۱۴۳۵۸ دن ہوئے اتنے دن جولین حساب سے ۳۹ برس ۱۲۳دن ہوئے اس لئے پہلی شب قدر کی تاریخ ۶ر اگست ۶۱۰ء ہوئی اب عہد نبوت دوبار ادوار میں تقسیم کر لیجئے

(۱) قبل قرآن ۱۴۳۵۷ دن = ۱۲ر ربیع الاول ۵۳ق ھ تا ۱۶ر رمضان ۱۳ق ھ

(۲) قبل ہجرت ۴۴۱۳ دن = ۱۷ر رمضان ۱۳ق ھ تا سلخ صفر ۱ھ

(۳) بعد ہجرت ۱۱ دن = پنجشنبہ یکم ربیع الاول ۱ھ تا یکشنبہ ۱۱ر ربیع الاول ۱ھ

(۴) مدنی ایام ۳۵۳۶ دن = دوشنبہ ۱۲ر ربیع الاول ۱ھ تا دوشنبہ ۲ر ربیع الاول ۱۱ھ

مدنی ایام نبوت کے بعض واقعات کی بابت کافی روایتیں صحیح اور غلط ملیں گی حضور کی مکی زندگی کی قبل قرآن کے واقعات کی توریخ ہمارے موضوع بحث سے خارج ہے کیونکہ ہم کو آیات قرآن کے اسباب نزول، ازمنہ اور ازمنہ نزول کے حالات ہی کو جاننے کی فکر میں ہیں۔ مکی دور کے بہت کم واقعات تاریخ مروی ہے اور وہ بھی مجمل اور ایسے افراد سے جن کو ذاتی علم نہیں ہو سکتا تھا، سنی سنائی افواہوں پر ان خبروں کا مدار ہے، تاریخ بعثت بعد روایتی حیثیت سے اہم ترین تاریخ انذار عشیرہ کی توریخ ہے۔ پہلے عشیرہ کے مفہوم اور عشیرہ اقربین کو سمجھ اور سمجھا لینا ضروری ہے۔

حواشی و حوالہ جات

۱۔ سورۂ بینہ

۲۔ سورۂ بنی اسرائیل، آیت ۱۰۶

۳۔ سورۂ فرقان، آیت ۳۲، ۳۳،

۴۔ سورۂ ہود، آیت ۱۲۰،

۵۔ شیخ حسین بن محمد بن حسن الدیار بکری / تاریخ الخمیس / ج ۲ / ص ۱۶۶،

۶۔ ایضاً،

۷۔ سورۃ مریم، آیت ۲۹،

۸۔ سورۂ مائدہ، آیت ۱۱۰،

۹۔ تاریخ الخمیس، ایضاً، ص ۱۶۶،

۱۰۔ سورۂ انعام، آیت ۱۴۱،

۱۱۔ تاریخ الخمیس، ج ۱ / ص ۱۹۵،

۱۲۔ ایضاً، ص ۱۹۶،

۱۳۔ ایضاً،

۱۴۔ ایضاً،

۱۵۔ ایضاً

۱۶۔ ایضاً،

۱۷۔ سورۂ اعراف، آیت ۱۳۸، و یونس آیت ۹۰،

۱۸۔ ایضاً، سورۂ اعراف، آیت ۱۳۸،

۱۹۔ تاریخ الخمیس، ۱/ ۱۹۷،

۲۰۔ ایضاً، ص ۱۹۶،

۲۱۔ رواہ مسلم

۲۲۔ تاریخ الخمیس، ۱/ ۱۹۷،

۲۳۔ ایضاً،

۲۴۔ ایضاً،

۲۵۔ ایضاً، ۱/ ۱۸۷،

۲۶۔ ایضاً، ۱/ ۱۹۸،

۲۷۔ سورۂ مائدہ، آیت ۱۹

۲۸۔ سورۂ انعام، آیت ۴۷،

۲۹۔ سورۂ بنی اسرائیل، آیت ۱۵،

۳۰۔ تاریخ الخمیس، ۱/ ۲۳۳،

۳۱۔ سورۂ طور، آیت ۴۲،

۳۲۔ سورۂ طارق، آیت ۱۵ تا ۱۷،

۳۳۔ سورۂ نمل، آیت ۷۰،

۳۴۔ سورۂ نحل، آیت ۱۲۷،

۳۵۔ سورۂ مزمل، آیت ۹، ۱۰،

۳۶۔ سورۂ انفال، آیت ۳۰،

۳۷۔ سورۂ محمد، آیت ۱۳،

۳۸۔ سورۂ توبہ، آیت ۴۰،

۳۹۔ سورۂ صافات، آیت ۹۸،

۴۰۔ سورۂ انبیاء، آیت ۷۰،

۴۱۔ سورۂ نمل، آیت ۵۰،

۴۲۔ تاریخ الخمیس، ۱/ ۳۲۲،

۴۳۔ ایضاً،

۴۴۔ ایضاً،

۴۵۔ ایضاً، ص ۳۲۴،

۴۶۔ ایضاً،

۴۷۔ ایضاً،

۴۸۔ ایضاً، ص ۳۲۵،

۴۹۔ ایضاً،

۵۰۔ ایضاً،

۵۱۔ ایضاً،

۵۲۔ ایضاً،

۵۳۔ سورۂ زخرف، آیت ۲۶،

۵۴۔ سورۂ یونس، آیت ۱۶،

۵۵۔ سورۂ انبیاء، آیت ۴۷،

۵۶۔ سورۂ یوسف، آیت ۲۲،

۵۷۔ سورۂ قصص، آیت ۲۲،

۵۸۔ سورۂ انبیاء، آیت ۷۹،

۵۹۔ سورۂ مریم، آیت ۱۲،

۶۰۔ سورۂ احقاف، آیت ۱۵،

۶۱۔ سورۂ قدر، آیت ۱،

۶۲۔ سورۂ دخان، آیت ۶۲،

۶۳۔ تاریخ الخمیس، ۱/ ۸، ۹

۶۴۔ ایضاً، ۱/ ۹، ۱۰،

۶۵۔ ایضاً، ص ۹،

۶۶۔ سورۂ شعراء، آیت ۱۹۳ تا ۱۹۵،

۶۷۔ سورۂ شوریٰ، آیت ۷

۶۸۔ سورۂ زخرف، آیت ۲،

۶۹۔ سورۂ حم سجدہ، آیت ۳،

۷۰۔ سورۂ احقاف، آیت ۱۲

۷۱۔ سورۂ زمر، آیت ۲۶،

۷۲۔ سورۂ طٰہٰ، آیت ۱۱۳،

۷۳۔ سورۂ یوسف، آیت ۲،

۷۴۔ سورۂ رعد، آیت ۳۷،

۷۵۔ سورۂ ابراہیم، آیت ۴،

۷۶۔ سورۂ حم سجدہ، آیت ۴۴،

۷۷۔ سورۂ شعراء، آیت ۱۹۸، ۱۹۹،

۷۸۔ سورۂ شعراء، آیت ۲۱۴،

۷۹۔ تاریخ الخمیس، ۱/ ۲۸۰،

۸۰۔ سورۂ یٰسٓ، آیت ۲،

۸۱۔ سورۂ اعراف، آیت ۱۵۸،

۸۲۔ سورۂ حج، ۴۹

۸۳۔ سورۂ ص، آیت ۷۰،

۸۴۔ سورۂ ذاریت، آیت ۵۰،

۸۵۔ سورۂ عنکبوت، آیت ۵۰، وملک، آیت ۲۶

۸۶۔ سورۂ احقاف، آیت ۹،

۸۷۔ سورۂ ہود، آیت ۲،

۸۸۔ سورۂ اعتراف، آیت ۱۸۸،

۸۹۔ تاریخ الخمیس، ۱/ ۱۸۰، ۱۸۱،

۹۰۔ ایضاً، ص ۲۸۱،

۹۱۔ سورۂ جاثیہ، ۶،